صفیر انقلاب

سیّد ریاض حسین شاہ

صفیرِ انقلاب

سیّد ریاض حسین شاہ

ادارہ تعلیمات اسلامیہ خیابان سرسید سیکٹر III راولپنڈی

فون: 051-4831112

حسن ترتیب

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	شوق سفر	۱۱
۲	دلیل شوق	۲۲
۳	فکر شباب	۳۳
۴	چراغ راہ	۴۴
۵	نور عرفان	۵۵
۶	جادۂ حق	۶۶
۷	راہ حق	۷۷
۸	دلیل راہ	۸۸
۹	نشان منزل	۹۹
۱۰	احساس زیاں	۱۰۰
۱۱	راہ اتحاد	۱۱
۱۲	وسیلۂ ظفر	۱۲
۱۳	دعوت فکر	۱۳
۱۴	بار امانت	۱۴
۱۵	دعوت عمل	۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شوقِ سفر

اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے زندگی کو سراپائے جہاد بنانا ہی اصل بات ہے۔ شرافت، بزرگی، نیکی اور اخلاقی اقدار کے بحال کرنے میں ہی ہماری بقا مضمر ہے۔ زندگی کے الجھے ہوئے مسائل سے جواں ہمتی ہی کے ساتھ نمٹا جا سکتا ہے۔ بربادی عقائد کے ہلاکت خیز اور فلاکت انگیز گردابوں میں سفینۂ خلوص اور ملاحِ عشق ہی کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

ہماری یہ فکر ایک مستحکم عقیدہ ہے کہ انسانی قوت اور فلاح کا اصل سرچشمہ اسلام ہے، یہی وہ چراغ ہے جس سے تاریک راہیں منور کی جا سکتی ہیں اور اسی کے وسیلہ سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ سکتے ہیں۔ مسائل کا عالمی بحران رسول ﷺ کے قلبِ منیر پر نازل ہونے والے الہامی قانون کے اتباع ہی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ اخوت اور الفت کے لیے اسلام ہی وہ مضبوط بنیاد ہے جس سے یہ سخن آوری، تصور بازی اور نظریہ سازی کی سطح سے بلند ہو کر واقعیت اور حقیقت کی عظمتوں اور رفعتوں سے شناسائی حاصل کر سکتی ہے۔ یہی وہ چشمہ صافی ہے جس سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں اور یہی وہ آفتاب ہے جس سے طالبانِ فیضانِ حق اکتسابِ نور کر سکتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ اسلام جس طرح ایک جامد مذہب نہیں بلکہ اس کے اندر ایک انقلابی روح مستتر ہے اس کے مقاصد بھی جمود اور تعطل سے حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

فلاحِ انسانیت کے اسلامی خاکے میں "ہر دم جواں ہے زندگی" کا مصداق بن کر ہی حقیقت کا رنگ بھرا جا سکتا ہے۔ بہبودِ انسانیت کے اسلامی پروگرام کے ثمرات سے متلذذ ہونے کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ اس کے زرّیں اصولوں پر عمل کی گرفت مضبوط کی جائے اور اس کے متعلقین تعلیم و تربیت کے حسین سانچوں میں اس طرح ڈھلے ہوں کہ ان کا مطمحِ نظر اعلیٰ ترین مثالی زندگی ہو۔

تعلیم اور تربیت کے لیے ہماری نظر میں ''صراط الذین انعمت علیھم'' سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اس سے پہلے بھی ہماری ملت نے اس ''صراط مستقیم'' پر چل کر اور گدڑی پوش بزرگوں کی اطاعت کر کے ہی ترقی کی منازل طے کی ہیں اور اب بھی یہ کامرانی سے اسی صورت میں ہمکنار ہو سکتی ہے کہ وہ بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلے۔

اسلاف کی درسگاہِ عشق کا اوّلین درس یہ ہے کہ ملت کا ہر فرد سنت نبوی ﷺ کا لباس دھارے اور ''بلغوا عنی ولو ایۃ'' پر عمل کرتے ہوئے احوالِ انسانیت کی اصلاح کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر اگر جذبہ صادق اور خلوصِ دل ساتھ دینے لگ جائیں تو فرد فرد نہیں رہتا بلکہ وہ ایک جماعت بن جاتا ہے اور اس کے مقاصد ایک تحریک کا روپ دھار لیتے ہیں۔

عشق فرد جس وقت عشقِ اجتماع میں بدلتا ہے اور تقویٰ فرد، تقویٰ عوام کی صورت اختیار کرتا ہے تو انقلاب حق کے تمام راستے ہموار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ انسان الہامی قوانین اور ضوابط کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسے من جانب اللہ وہ قوت میسر آتی ہے جس سے تسخیر کائنات کے مراحل طے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ انسانی قلوب اور دماغ انقلاب آفرین سانچوں میں ڈھل کر داعیٔ حقیقت بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہماری قومی اور ملی زندگی کا یہ المیہ ہے کہ دعوتِ تبلیغ چند مخصوص آدمیوں کا فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ دین فقط متاعِ مسجد ہو کر رہ گیا ہے۔ یہاں تعلیم، کاروبار اور ادب، دھندے کی شکل اختیار کرنے لگ گئے ہیں۔ روشنیوں اور اجالوں کے وارث اندھیروں اور تاریکیوں کے نگہبان پیدا کر رہے ہیں۔ بچہ ریوڑیوں کی خاطر پڑھتا ہے اور معلم روپوں کی خاطر پڑھاتا ہے۔

کہاں گئی وہ تڑپ اور سوز، کہاں گئے وہ دیوانے اور علم و ادب کے متوالے، جو جھونپڑیوں میں بیٹھ کر اپنے خونِ جگر سے وہ شمعیں روشن کرتے تھے جن روشنیوں سے مستفیض اور مستنیر ہونے والے کائنات کو جہاں درسِ حدیث دیتے تھے وہاں اپنی قوم اور ملت کے الجھے ہوئے گیسوؤں کو اپنی ہمت کی مشاطگی سے سلجھاتے تھے۔

سوئے منزل کا مطلع ادب پر ظہور اور ادارہ تعلیمات اسلامیہ (ٹرسٹ) پاکستان کا قیام انہی جذبات اور احساسات کا ایک فکری نتیجہ ہے۔ ہمارا ادبی مجلّہ ہو یا ادارہ ہر ایک کا ایک ہی بنیادی مقصد ہے اور وہ یہ کہ ملت اسلامیہ اپنی غفلت شعاریوں سے توبہ کرے اور گنبد خضریٰ کے مکین رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جسدِ واحد نظر آئے۔ دوسرے لفظوں میں ہمارا مقصد مسلمانوں کے درمیان تحریک محبت پیدا کرنا ہے اور اس کے لیے ہم سوئے منزل اور ادارہ تعلیمات اسلامیہ کو ایک آلہ کی حیثیت دینا چاہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلیلِ شوق

زندگی کے سارے ہنگامے گفت وکلام، فکر ونظر اور فعل وعمل ہی سے ہیں۔ اگر ان چیزوں کی سمت درست ہو جائے تو زندگی زندگی ہے اور انہیں صراطِ مستقیم کا سراغ نہ لگ سکے تو پھر موت کی سیاہی اور فنا کی تاریکی کے سوا کچھ نہیں۔

اسے بدقسمتی سمجھئے کہ زندگی برف کی مانند پگھلتی جارہی ہے اور زمانہ برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے لیکن قوموں کا تقدیر ساز اور ملل کا محسن احساسِ ارتقاء ونمو سے ابھی کوسوں دُور ہے۔ کفر اور باطل کی گہری سازشوں اور مہیب ہتھکنڈوں نے اس کی فکر ونظر اور قوائے جہد وعمل کو اس طرح شل کر دیا ہے کہ اس کے لیے اپنی ذات سے نکل کر سوچنے کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعیت مفقود ہے اور اتحاد معدوم بلکہ عالمی سطح پر مسلمان مسلمان سے الجھا ہوا ہے اور حکومتیں ایک دوسرے کی تکفیر کر رہی ہیں۔ معاشی لحاظ سے چھوٹے ممالک کو ''بقائے زندگی'' کے چکر نے ملی تشخص کے قیام سے بیگانہ بنا رکھا ہے اور بڑے اسلامی ممالک کو دولت وثروت نے بدکاری کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اگر ایک طرف غربت نے خودغرضی، فساد جوئی، چوری اور عیاری ومکاری جیسے امراض پیدا کئے ہیں تو دوسری طرف دولت نے تکبر، خود پرستی، شراب نوشی، فحاشی، عریانیت، بے حیائی اور خود فراموشی جیسا مہلک اور موت آفریں زہر عام کیا ہے۔

غربت اور امارات کے ان متضاد اثرات نے متوسط آبادیوں کو بھی خالی نہیں چھوڑا۔ وہ بھی معاشرتی لحاظ سے اخلاق وکردار کا وہ نمونہ پیش کرنے کے قابل نہیں جو مسلم معاشرے کا طرۂ امتیاز ہے۔

ہمیں اپنی جگہ تسلیم ہے کہ ہمارے ہاں آتش نوا شاعروں، شعلہ نوا واعظوں، باذوق

ادیبوں، نکتہ جو حکیموں، فکر ساز فلسفیوں اور مستِ ہوشیوخ کی کمی نہیں۔ مسجدیں کسی حد تک آباد ہیں۔ اذانوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اللہ ہُو کی ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کے ختم پڑھے جاتے ہیں۔ دینی اور مذہبی جلسے انعقاد پذیر ہوتے ہیں۔ نذر نیاز دل کھول کر لٹائی جاتی ہے۔ زکوٰۃ وصدقات کی تقسیم بھی برابر جاری ہے۔ مذہبی جماعتیں بھی اپنے تئیں مصروفِ کار ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ مسلم قوم زمین کے ایک خاص حصہ پر مقتدر ہونے کے باوجود صبح فروزاں کے انتظار میں تارے گن رہی ہے، من کل الوجوہ ابھی تک غلبہ اور تمکن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ یہ مشرق ہو یا مغرب، خون مسلمان ہی کا کیوں گرتا ہے، گھر مومن ہی کا کیوں جلتا ہے اور کافروں کی سیاسی اور مذموم اغراض کے لیے چھیڑی گئی جنگوں کا تختۂ مشق مسلمان حکومتیں ہی کیوں بنتی ہیں؟

اہل باطل نے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے وہ صرف عسکری نوعیت ہی کے نہیں بلکہ معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کو کچھ اس طرح گھائل کیا گیا کہ ملی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ ذات پات اور نسلی امتیازات نے پوری طرح ہماری ذہنیتوں پر تسلط جما لیا اور ذہنی اور فکری لحاظ سے ہماری قوم اپاہج اور مفلوج ہو کر رہ گئی اور اس کی کارآمد صلاحیتیں بے کار رہ رہ کر زنگ آلودہ ہونے لگیں۔

ہم ماتم کے قائل نہیں، منزل پر پہنچنے کی فکر رکھتے ہیں اور اس راستے میں اپنے ملی بھائیوں میں جس چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ وہ وسائل کا نہ ہونا نہیں بلکہ نظریاتی اضطراب اور تشویش ہے، جو انہیں قربانی اور ایثار کے لیے باطن سے تیار نہیں ہونے دیتی۔

اس وقت مسلمانوں میں دو طرح کے لوگ ہیں: ایک بے دین اور دوسرا دین دار، اوّل الذکر کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ دھرتی پر کس کا حکم چلتا ہے اور کس کا چلنا چاہیے۔ ان کا دل چاہے تو خدا کے وجود کے قائل ہو جاتے ہیں اور دل چاہے تو اسلام سے دو چار مذاق بھی کر لیتے ہیں اور جہاں تک دوسرے طبقے کا تعلق ہے تو وہ بے حسی اور جمود کا شکار ہے۔ قومی اور ملی پیمانے پر انہیں سوچنے کی فرصت ہی نہیں یا اگر کوئی سوچتا بھی ہے تو ماحول اور رسم ورواج کی بوجھل بیڑیاں

ان کے قدموں میں پڑ جاتی ہیں اور وہ ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس طرح ایک مضبوط قوت بے کار ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہمارے خیال میں اس وقت ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ضروری ہے جس کا تعلق خدا کی ذات اور رسول اللہ ﷺ کے وجودِ سعید سے بدرجہء اتم ہو۔ یاد رہے کہ مسلمان جس وقت تک خدا کی ذات کے ساتھ جنون و شیفتگی کی حد تک وابستگی اختیار نہیں کر لیتے۔ ان کا کوئی مسئلہ حل ہوتا معلوم نہیں ہوتا۔ یہ فرقوں کی جنگیں اور مختلف مکاتبِ فکر کی آنکھ مچولی اور حکومتوں کے غمزے، درحقیقت خدا پرستی کے فقدان کے نتیجے میں ہیں جب تک خدا کی ذات پر یقین اور عقیدہ مضبوط نہیں ہوگا، خواہشات کبھی ختم نہیں ہوں گی اور نفس اور شیطان کبھی ہار نہیں مانیں گے۔

ایک بار دل سے یہ پڑھنا ہی پڑھے گا۔

''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ''

یہ ہے وہ مضبوط بنیاد جس پر ہمیں ایک ایسی قوم تیار کرنی ہے جو خدا ترس اور با اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ جری، جفاکش اور جانباز ہو، جسے بدی کو للکارنا آتا ہو اور خدا کی راہ میں جان لگانا اس کے لیے مشکل نہ ہو۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ قوم کی تربیت کون کرے گا۔ ملت میں ایمان کی لہر دوڑانے میں کون سی قوتیں حرکت میں آئیں گی تو اس سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے ہمیں ایک نقشہ تیار کرنا ہو گا جس کے مطابق ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا ہے اور پھر اس کے بعد احیائے حق کے لیے باطل کے خلاف ایک جانگسل کشمکش شروع کرنی ہے اور اس وقت تک کرنی ہے کہ ''حتی یکون الدین للہ'' یعنی دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

ہماری سوچ کے مطابق اس سارے کام کی چھ ٹھوس بنیادیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ایمان (۲) علم (۳) عمل

(۴) روحانیت (۵) قوت (۶) جہاد

جہاں تک اصطلاح ''ایمان'' کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ہم بڑے واشگاف انداز میں ان تین لطیف حقیقتوں کی طرف اشارہ کریں گے جن پر ایقان کا ہونا ضروری ہے۔ مراد اللہ کا ربّ ہونا، محمد ﷺ کا رسول ہونا اور اسلام کا دین ہونا ہے۔ عقائد میں یہ تین ایسی بنیادیں ہیں جن کے تحت وہ تمام ماوراء الطبیعاتی حقائق آ جاتے ہیں جن پر ایک مسلمان کا ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی بے جا نہ ہوگی کہ ایمان کا معنی زبان سے کسی چیز کا ادا کر دینا نہیں بلکہ دل کی دنیا سے کسی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے یعنی کسی عقیدہ کا علیٰ وجہ البصیرت ہونا لازمی ہے اور اس ضمن میں وہ لوگ جن کے دینی اور اسلامی نظریات کو حق الیقین کی حد تک ایمان کا درجہ حاصل ہے، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ان دوستوں کی کشتِ قلوب میں، جن کے نظریات ہوا کے سرسری جھونکوں کے ساتھ لرز جاتے ہوں، ایمان کی تخم ریزی کریں۔ یہاں تک کہ ملت اسلامیہ میں من حیث القوم خدا کا احساسِ حاکمیت اور رسول اللہ ﷺ کا احساسِ محبوبیت و کاملیت غالب ہو جائے۔

ایمان جب سینوں میں رسوخ حاصل کر لے تو اس کا پہلا اثر دل اور دماغ میں جستجو اور تلاشِ حقیقت کا شدید داعیہ پیدا کر دینا ہے۔ اس مقام پر صاحبِ ایمان میں ''العلم'' کے حصول کے لیے تڑپ پیدا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے ''العلم'' سے مراد خدا کا وہ عظیم صحیفہ ہے جس کا نزول رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر پر ہوا۔ دوسرے لفظوں میں مسلمان کے لیے ایمان کے بعد جس چیز کی اشد ضرورت ہوتی ہے وہ قرآن مجید کا سیکھنا اور ایک تڑپ کے ساتھ سیکھنا ہے۔ یہاں پر ایک بات ضرور ذہن میں رہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں رطب و یابس، یعنی سارے علوم و فنون کی اصولی تعلیم رکھ دی گئی ہے اور جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآنی علوم میں مہارت حاصل کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کو مشعل راہ بنا کر دنیا کے سارے علوم و فنون میں مہارت حاصل کی جائے اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے آج ہم جدید دنیا کی ماڈرن سازشوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ (العلق:۱)

''پڑھیے اپنے ربّ کے عظیم نام سے جس نے پیدا فرمایا''۔

یعنی زندگی پڑھائی اور ربّ کی یاد دونوں کا امتزاج ہونی چاہیے۔آج ''اقراء'' پر جدید قومیں عمل کرتی ہیں اور ''ربّ کا نام'' ایک ایسی قوم لے رہی ہے جو ''العلم'' میں مفلوج ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ''العلم'' پڑھا جائے لیکن ہر لحظہ ربّ کے نام اور اس کی ذات پر یقین غالب رہے اور ایک سچی مسلمان قوم ہی خدا کے اس حکم پر پوری طرح عمل کر سکتی ہے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

اس اہم مقصد کے حصول کے لیے اساتذہ، معلمین، مدرسین، علماء اور پڑھے لکھے احباب کی جو ذمہ داریاں ہیں اگر وہ کما حقہ انہیں پورا نہیں کریں گے تو نئی نسل کے قلب و ذہن کو قرآنی قالب میں ڈھالنا اور ان کی تربیت اس انداز سے کرنا کہ ان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو اور وہ زندگی کے مقاصد سے ہمکنار ہو سکیں، کیونکر ممکن ہوگا۔

تیسرا نکتہ جس پر ہمیں کچھ عرض کرنا ہے وہ ہے ''عمل''، اچھی فصل کے اگنے کا دارومدار اچھے بیج اور کسان کی محنت پر ہوتا ہے۔نظریات خواہ کتنے ہی حسین کیوں نہ ہوں جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے بہتر نتائج پیدا کرنے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ جہاں تک قرآن حکیم اور اسلام کے خیر ہونے کا تعلق ہے تو ان کی عظمت سے بیگانے بھی منکر نہیں۔فرق جس چیز کا ہے وہ مسلمان قوم کا قرآنی نظریات پر عمل ہے اور اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے یوں اشارہ کیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝

(البیّنۃ:۷)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں مخلوق میں سب سے بہترین لوگ یہی ہیں''۔

اس لحاظ سے یہ ہماری قومی ضرورت ہے کہ ہم اعمالِ صالحہ کی طرف رجعت قہقریٰ سے کام لیں اور بدکاریوں سے توبہ کا یہ عمل قومی اور ملی پیمانے پر ہونا چاہیے۔ جب تک ملت میں عمل صالح کی ایک لہر نہیں اٹھے گی کسی دوررس اور مستقل اسلامی انقلاب کی امید رکھنا عبث ہے۔ اس لیے کہ نازک شاخیں زیادہ بوجھ برداشت نہیں کرسکتیں۔ معاشرہ ایک شاخ کی مانند ہے وہ اخلاقی، دینی اور ملی اقدار کے لحاظ سے جتنا قوی اور مضبوط ہوگا اتنا ہی زیادہ بوجھ برداشت کرسکے گا۔

اب رہا یہ نکتہ کہ اعمال صالحہ کی رغبت ہونے کا مؤثر طریق کار کون سا ہے تو اس سلسلہ میں ایک گہری اور عمیق فکر کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ ''تزکیہ'' کا نظام فعال ہونا چاہیے اور اسی عمل کو ہم ''روحانیت'' کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی چیز عہد رسول ﷺ میں بصورتِ ''احسان'' موجود تھی۔

ایسے نظریات جو اپنے ماننے والوں کے سینوں میں اطمینان اور چین پیدا کرنے میں ناکام ہوجائیں، حقیقت میں وہ ایسی کھوکھلی بنیادیں ہوتے ہیں جن پر تعمیر کی گئی عمارتیں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتیں۔ اسلام ایک ٹھوس نظریہ زندگی اور نظامِ حیات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا جامع روحانی پروگرام بھی رکھتا ہے جس سے انسانی دل اطمینان اور حقیقی مسرت حاصل کرسکتے ہیں۔

یہ اسلام کی سچی روحانیت ہی تھی کہ جب تک مسلمانوں کی زندگی میں اس کا وجود رہا، اسلام پھلتا پھولتا رہا لیکن جب سے جدت پسند لوگوں نے اسے ''افیون'' سے تعبیر کیا۔ اسلام کی ترقی و ترویج کے امکانات کم ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ اب سننے میں آیا ہے کہ یورپ کے بے شمار لوگ ''روحانیت'' کی تلاش میں ''ہندو مذہب'' قبول کر رہے ہیں۔ اگر مسلمان اپنی کھوئی وراثت کو حاصل کریں اور دعوت و تبلیغ کا کام ''صوفیا'' کے انداز سے کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ دن دور نہیں کہ مشرق کے ملحدین اور مغرب کے مادہ پرست لوگ اسلام کے سامنے اپنا سر جھکا دیں اس لیے کہ پیاسے کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے گھاٹ کا تشخص کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مجھے یہاں نظامِ روحانیت کو بگاڑنے والے ان نام نہاد خانقاہ نشینوں سے بھی شکوہ ہے جن

کے طیورِ ارواح تو فالج زدہ ہونے کی وجہ سے لاہوتی پرواز سے عاجز ہیں لیکن ان کے ہاں آباء پرستی، رسم افشائی اور قبر فروشی کے سارے کام گرما گرمی سے جاری ہیں۔ عوام الناس بھی روحانیت کا حقیقی تعارف نہ ہونے کی وجہ سے منزل آشنا نہیں ہونے پا رہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صداقت اور حقیقت رکھنے والی خانقاہوں سے ''تزکیہ'' کی ایک بھرپور تحریک اٹھے اور لوگوں کے سینوں سے ماسوئ اللہ کو ختم کر دے اور ان کا اٹھنا، بیٹھنا، سوچ اور فکر سبھی کو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے مطابق بنا دے، یہاں تک کہ خانقاہوں کے تربیت یافتہ خدا پرست لوگ احیائے دین کے لیے اپنا سب کچھ وقف کر دیں۔

جو دوسروں کے لیے بے قرار ہو ہر دم
وہ مشتِ خاک ، وہ پارہ تلاش کرتا ہوں

مذکورہ صدر ساری باتیں ہی ابتدائی نوعیت کی ہیں۔ اگر قومی اور ملی حیثیت سے ہم ایمان و عشق، علم و عمل اور روحانیت کے حامل ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اسلامی انقلاب کا خاکہ تیار کر لیا۔ اس مرحلے کے بعد ''باطل'' کے خلاف ہمیں ایک قوت تیار کرنی ہے اور قوت کا تصور صرف افراد سے نہیں ہوتا، اس کے لیے ہمیں قرآن حکیم کے اس حکم پر عمل کرنا ہوگا۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (الانفال:60)

''اور ان کے مقابلے میں تیاری رکھو جتنی بھی تمہاری استطاعت ہو''۔

ہمارے کسانوں اور مزدوروں کو صنعت کاروں اور ہنر مندوں کو، معلّمین اور طلبا کو، ملازمین اور مؤظفین سبھی کو محنت کرنا ہوگی۔ ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے پڑیں گے۔ معاشی اور مذہبی فرقہ بندیاں ختم کرنا ہوں گی اور ضرورت کے مطابق ایثار اور قربانی پیش کرنا ہوگی۔ یہی وہ سنگلاخ راستہ ہے جو ہماری ملت کو بین الاقوامی سطح پر ایک قوت اور طاقت کی صورت میں نمودار کر سکتا ہے۔

اس کے بعد ہمیں اپنی زندگی کا حقیقی مقصد پورا کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ شروع کرنا ہے۔ اس کی عمومی صورت تو ''دعوت الی اللہ'' ہی رہے گی جس کا واضح مطلب زمین پر خدا کا نظامِ

عدل قائم کرنا اور نظامِ ظلم کو جڑ سے اکھیڑنا ہے لیکن اگر کوئی طبقہء انسانیت ظلم سے باز نہیں رہتا اور اپنے کفری نظام سے انسانیت کو ایذا پہنچانے پر تلے رہنے کی ٹھان لیتا ہے تو پھر خدائی فوج زمین میں ظلم و استیصال برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ ایک عزم اور حوصلے سے کفر و باطل کے خلاف کشمکش شروع کر دیتی ہے اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ⑩
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَ
أَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ⑪ (الصّف:۱۱،۱۰)

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتا دوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دے دے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جو تم سے لڑے اُس سے لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ، تمہارے لیے بہتر یہی راہ ہے اگر تم کچھ جانتے ہو''۔

اس وقت یہ بات لائقِ مسرت ہے کہ قوم کے چند نوجوان اسلام کی نشاءۃِ ثانیہ کے لیے ایک اُمنگ اور تڑپ لے کر کچھ کر گزرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ اللہ کرے ان کی شیرازہ بندی ہو اور ان کی محبتوں اور جہد و عمل کی تحریک باطل کی رسوائی اور اسلام کے احیاء کا باعث بن جائے۔ (آمین)

روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں
گلشن میں چاک چند گریباں ہوئے تو ہیں

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر شباب

اللہ کی ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔ شباب اور جوانی بھی خدا کی نعمت ہے اس لیے اس پر بھی شکر واجب ہے۔ کتنے بخت آور ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ جل جلالہ اپنے اس عطیے سے نوازتا ہے اور طاقت، قوت، حسن و جمال ایسی عطاؤں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

جوانو! غور کرو وہ اللہ کی ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں ارض وسماء ہے۔۔۔۔۔ فلک و ثریٰ ہے۔۔۔۔۔ گھنگھور گھٹائیں ہیں۔۔۔۔۔ خوش منظر فضائیں ہیں۔۔۔۔۔ حرکت و ثبات ہے۔۔۔۔۔ جماد و نبات ہے۔۔۔۔۔ یمین و یسار ہیں۔۔۔۔۔ دریا و ابحار ہیں۔

روشن دن اور گہری راتیں، سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ موت و حیات کے سلسلے اسی نے شروع کیے۔ یہ گورے اور کالے انسان اسی نے پیدا کیے۔ ان وحوش و طیور کو جان اسی نے بخشی، یہ بوڑھے اور ناتواں لوگ اسی کے حکم سے خمیدہ کمر ہوئے، یہ وہی ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے، چاہے تو امیروں کو غریب اور غریبوں کو امیر کر دے، چاہے تو شاہوں کو گدا اور گداؤں کو شاہ بنا دے۔ چاہے تو معصوم بچوں سے ظل پدری چھین کر انہیں یتیم کر دے اور چاہے تو خوش عیش عورتوں کے سہاگ چھین کر انھیں بیوہ کر دے اس پر کسی کا زور نہیں۔ وہ خدا ہے ہم بندے، وہ جابر ہے ہم مجبور۔۔۔۔۔ وہ خالق ہے ہم مخلوق۔۔۔۔۔ وہ مراد ہے ہم مرید۔۔۔۔۔ وہ قادر ہے ہم مقدور۔۔۔۔۔ وہ مالک ہے ہم مملوک۔۔۔۔۔ مرضی اسی کی چلتی ہے۔ بندہ چاہے بھی تو کیا چاہے، قدرتیں ساری تو اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

ان اللہ علی کل شیء قدیر

مانا کہ آج تم جوان ہو۔۔۔۔۔ آج تم طاقت میں ہو۔۔۔۔۔ آج تم اپنے جیسا کسی کو

نہیں سمجھتے۔آج تمہاری نظر شوخ شوخ ہے۔۔۔۔آج تمہارے ارادے شررشرر ہیں۔۔۔۔آج حسن تمہارے گرداگرد گھومتا ہے۔۔۔۔آج ادائیں تمہارا طواف کرتی ہیں۔

تسلیم کیا!۔۔۔۔دولت بھی تمہارے پاس ہے۔۔۔۔ثروت بھی تمہارے پاس ہے۔دوڑتی گاڑیاں اور فلک بوس عمارتیں بھی تمہارے پاس ہیں۔دوستوں کی کثرت اور رشتوں کی فراوانی،سب کچھ تم رکھتے ہو۔

چلو یہ بھی مان لیا کہ تم چاہو تو ستارے جڑ جائیں اور پہاڑ اڑ جائیں اس لیے کہ دنیا تمہاری ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ۔۔۔۔بچپنے کی لاشعوری۔۔۔۔بڑھاپے کی ناتوانی۔۔۔۔غربت کی پریشانیاں۔۔۔۔مسکنت کی قیامت سامانیاں۔۔۔۔تہی دست ہونے کا درد اور محتاج ہونے کا اضطراب۔۔۔۔تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔

چلو یہ بھی سہی کہ:

ماں تمہیں ہی اپنا قبلہ سمجھتی رہی۔۔۔۔باپ تمہیں ہی اپنا مقصود تصور کرتا رہا۔۔۔۔استاد اپنا دستِ شفقت تمہارے ہی سر پر رکھتا رہا۔۔۔۔ماحول تم پر ہی فدا ہوتا رہا۔۔۔۔معاشرہ تمہاری ہی رائے کو قوی سمجھتا رہا۔فیصلہ وقضاء کی طنابیں تمہارے ہی ہاتھ میں رہیں۔۔۔۔خوبیوں کا مرجع۔۔۔۔محاسن کا مصدر۔۔۔۔حقوق کا محور۔۔۔۔داد و تحسین کا مرکز۔۔۔۔سب کچھ تم ہی ہو۔

لیکن کبھی سوچا اور غور کیا کہ:

قطرۂ آب سے کون پیدا ہوا؟۔۔۔۔شکم مادر۔۔۔۔میں بے کسی کی زندگی کس نے۔۔۔۔بسر کی؟ بچپنے میں قدم قدم پر ناتوانیوں کے ہجوم نے کسے گھیرا؟ ماں کی ممتا کے لیے کون ترسا؟ باپ کی شفقت کے لیے کون تڑپا؟۔۔۔۔سردیوں کی شدت نے کس کو رلایا؟۔۔۔۔گرمیوں کی حدت نے کس کو تنگ کیا؟۔۔۔۔نجاست سے لتھڑے کپڑوں میں راتیں کس کی گزریں؟۔۔۔۔غلاظتوں کے ڈھیر میں کون آلودہ ہوا؟۔۔۔۔معصوم معصوم

ہاتھوں کو دوسروں کے ٹکڑوں کی طرف کس نے پھیلایا؟۔۔۔۔کج مج زبان سے مہمل باتیں کس نے کیں؟

شباب ہمیشہ رہے گا؟۔۔۔۔عمر کے سائے نہیں ڈھلیں گے؟۔۔۔۔موت کی ہچکیاں نہیں لگیں گی؟۔۔۔۔خدا کی کچہری میں پیشی نہیں ہوگی؟

جوانو!

چاند بھی ایک صورت میں نہیں رہتا، کبھی ہلال، کبھی قمر، کبھی بدر ہوتا ہے تمہیں بھی اس دنیا میں سدا نہیں رہنا۔ یہاں جو آیا ہے جانے کے لیے اور جو پیدا ہوا ہے وہ مرنے کے لیے، بقا تو صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ (الرحمٰن ۲۶ تا ۲۸)

''اس پر جتنے ہیں ہر ایک کو فنا ہے اور تیرے پروردگار کی ذات باقی ہے جو عظمت والا اور اکرام والا ہے۔ تو اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

آج ہمارے نوجوانوں کی حالت پتلی ہے۔۔۔۔ان کی سوچ سرسری ہے۔۔۔۔ان کے اخلاق کھوکھلے ہو چکے ہیں۔۔۔۔ان کی پیشانیاں سجدوں کے نور سے محروم ہیں۔۔۔۔ان کی آنکھیں آبِ عصمت سے بھرپور ہیں۔۔۔۔ان کی زبانیں جنسی بے راہ روی سے آلودہ ہیں۔۔۔۔ان کا تخیل بربادیوں کا شکار ہے۔۔۔۔ان کے افکار باطل تصورات کے اندھیروں میں ڈوبے ہیں۔۔۔۔مغربی تقلید نے ان کے ہاں اسلامی نظریاتی خیموں کو اجاڑ رکھا ہے۔

ہم پاکیزہ شباب اور مطہر فکر رکھنے والے نوجوانوں کی بات نہیں کرتے۔ ہمیں شکوہ تو ان شرزدوں سے ہے۔

جنہیں بہن اور ماں کی تمیز نہیں۔۔۔۔خیر اور نیکی کا پاس نہیں، صبح خرمستیاں، شام آوارہ گردیاں۔۔۔۔گلیوں میں تنکوں کی طرح اڑنا۔۔۔۔کوچوں میں خاک کی طرح ذلیل

ہونا۔۔۔۔۔ادھر جھانکنا، اُدھر تاڑنا، اسے گالی، اُسے چھیڑنا۔۔۔۔۔پڑھنے سے گریز، کھیلنے سے شغف۔۔۔۔۔چلنا تو اکڑ اکڑ کر، بولنا تو بگڑ بگڑ کر، ہنسنا تو کھل کھل کر، کھانا تو مچل مچل کر، سونا تو بچھ بچھ کر، جاگنا تو رُک رُک کر، مستی ہی مستی، نشہ ہی نشہ۔

ماں کا ادب نہیں۔۔۔۔۔باپ کا احترام نہیں۔۔۔۔۔استاد کی توقیر نہیں۔۔۔۔۔شرم جہاں نہیں خوفِ خدا نہیں۔۔۔۔۔قدم قدم نغمے، گام گام گانے۔۔۔۔۔لحظہ لحظہ غفلت۔۔۔۔۔لحہ لحہ جہالت عریانیت کے طوفان۔۔۔۔۔فحاشی کی آندھیاں۔۔۔۔۔کس سے گلہ کس سے شکوہ۔۔۔۔۔

اے بندگانِ خدا سوچو تو سہی!

سنو تو سہی تمہارا خدا تم سے کیا کہتا ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ (سورۃ یونس ۲۵ تا ۲۷)

”اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے، احسان کرنے والوں کے لیے اچھی جزائیں ہیں بلکہ مزید بھی اور اُن کے چہروں پر رسوائی کا غبار اور ذلت نہ چھائے گی، یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے بُرائیاں کمائیں تو ہر گناہ کا بدلہ اسی جیسا ہے اور اُن پر ذلت چھا جائے گی، انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا جیسے کہ اُن کے چہروں پر تاریک رات کا ایک ٹکڑا کاٹ کر چڑھا دیا گیا ہو، وہی لوگ

جہنم والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

نوجوانو! کبھی غور کیا کہ:

تم کس شجر کی شاخ ہو۔۔۔کس پھول کی کلی ہو۔۔۔۔کس آسمان کے ستارے ہو۔۔۔۔کس پربت کا ناز ہو۔۔۔۔کس کہکشاں کا حسن ہو۔۔۔کس چمن کے پروردہ ہو؟۔۔۔کس نور کی جھلک ہو۔۔۔۔کس آنکھ کی ٹھنڈک اور کس دل کی دھڑکن ہو؟۔۔۔۔کس آغوش نے تمہیں پالا ہے؟

یقیناً تم جانتے ہو کہ تمہارے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رسی کا دوسرا سرا فخر رسالت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔کیا تم یہ بھول گئے ہو کہ تمہارے کانوں نے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلی جو آواز سنی تھی وہ خالقِ ارض وسما سے وفا اور سکونِ فلک وثریٰ رسالت مآب علیہ السلام کی غلامی کی دعوت تھی اور یہ بات بھی شک وشبہ سے بالا ہے کہ تمہاری زبان نے بار ہا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میٹھے میٹھے نام کی مالا جپ کر وفاؤں کا اظہار کیا ہے۔تمہیں جس ماں نے پالا ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی فدائی تھی۔تمہیں جس باپ نے تربیت دی ہے وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلام تھا۔ تم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی ہے یقیناً اس میں دعوتِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پہنچی ہے تم اگر برباد ہوئے ،تمہارے اخلاق اگر کسی نے بگاڑے۔۔۔۔تم اگر فساد کے کھوکھلے دہانے پر آ کھڑے ہوئے۔۔۔۔تو اس میں سارا قصور، ساری کمزوری اور ساری غلطی اس شرِ ذمۂ ذلیلہ کی ہے جسے تم اپنا سمجھتے رہے ہو۔ یہ سارا فساد، یہ سارا جرم ''یہود'' کا ہے ''نصاریٰ'' کا ہے، مشرکین کا ہے اور ہر اس تہذیب کا ہے جس میں الحاد وفساد کو میٹھا اور شیریں بنا کر دکھایا گیا ہے۔

ان ہاتھوں کو پہچانو جنہوں نے تم سے قرآن چھینا اور بلاّ گیند تھمایا۔۔۔۔ان سازشیوں کو بے نقاب کرو جنہوں نے سنت مصطفیٰ ﷺ کی تصویر تم سے اوجھل رکھی اور فلموں کے پردوں پر تمہاری ہی بہنوں کی تھرکتی تصویریں تمہیں دکھا کر تمہاری غیرت کو سلایا، یہاں تک کہ تم اپنی بہنوں اور ماؤں کو برہنہ دیکھ کر مستانے ہاتھیوں کی طرح اور شہوانی ریچھوں کی طرح ناچنے لگے، ہاں ان

حاکموں کو بھی معاف نہ کرو جنہوں نے قوم کے گلے میں اسلام کا تعویذ تو ڈالا لیکن نظامِ زندگی سے ''ابلیسی'' مشوروں کو نہ نکال سکے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

(النمل: ۲۴)

''اور شیطان نے اُن کے اعمال کو مزین کر کے راہ حق سے انہیں روک رکھا ہے اور وہ ہدایت کی طرف آتے ہی نہیں''۔

اس زار و زبوں دنیا میں رہتے ہوئے تم نے ضرور یہ جان لیا ہو گا کہ آج انسانیت کو خطرات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چار سو بے یقینی کی فضا نے آدمیت کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔ شاید تم سمجھتے ہو کہ میرا اشارہ مہلک ہتھیاروں کی تخلیق کی طرف ہے یا عالم کش اور نفس سوز زہریلے بموں کو میں انسانوں کے لیے فساد انگیز تصور کرتا ہوں۔ اپنی جگہ یہ ساری چیزیں خوف آفریں ہیں لیکن اس دنیا کے باسیوں کا اصل مسئلہ ان عالی اقدار کا مٹ جانا ہے جن سے انسانیت صحیح معنوں میں ارتقاء کی منزلوں کی طرف گامزن ہو سکتی ہے۔ چکی کا پاٹ خطرناک اس وقت ہی ہوتا ہے جب وہ اپنے محور سے سرک جائے۔ آج کے انسان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ چکا ہے۔ انسانیت کو اپنے مدار پر دوبارہ لانے کے لیے ایک زبردست علمی و عملی اور روحانی انقلاب کی ضرورت ہے اور ایک ایسی قوت بھی درکار ہے جو اس عظیم کارنامے کو بجالانے کے لیے اپنا کندھا آگے بڑھائے۔

اب مشاہدات اور عالمی حالات نے اس بات کو پوری طرح خارج از بحث کر دیا ہے کہ انسانوں کے لیے مغربی طریق حیات نفع مند ہے یا مشرقی فکرِ خود آفرید؟

زندگی کی دوڑ میں یونان کا فلسفہ، مشرق کی روایات اور مغرب کے نظام سب ناکام ہو چکے ہیں۔ انسانیت نے قدیم جدید اور دائیں بائیں سب سے مایوس ہو کر اس حقیقت کی طرف سفر شروع کر دیا ہے جس سے امن و سکون کی جنتیں آباد ہو سکتی ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہی آدمیت کا

اصل مرکز ہے۔اسے ہی اسلام اور ایمان ایسی اصطلاحوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔روحانی کائنات کا یہی وہ محور ہے جس کے گرد گھوم کر عالمی امن اور اخروی سعادتوں کی ضمانت مہیا کی جاسکتی ہے،لیکن سوال یہ ہے کہ انسانوں کی ضرورت نظریات کی تلاش نہیں قیادت کی جستجو ہے۔اب کون ہیں وہ لوگ ،جن کی مردانہ قوت اور فتوانہ شان قافلہء انسانیت کو اٹھا کر صراطِ مستقیم پر رواں کر دے۔انسانی رہنمائی کا یہ عظیم کارنامہ ایٹمی توانائی سے سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔تسخیر کائنات کے ایجاداتی مظاہرے انسانوں کی ارواح کو ٹھنڈک اور سکون نہیں پہنچا سکتے۔آخر اس قوت کی تلاش کیوں نہیں کی جاتی جس نے ماضی کی تاریخ میں اس نوعیت کا ایک عظیم انقلاب بپا کیا ہے اور یقیناً وہ نظام مصطفےٰ ہے،یہی وہ طاقت ہے جسے آج بھی استعمال کیا جائے تو عالمی بے چینی دُور کی جا سکتی ہے لیکن اس قوت کے زور آور استعمال کے لیے ایسے ری ایکٹر چاہئیں جن کے اندر فطرت نے انقلابی صلاحیتیں ودیعت کی ہوں۔میرے خیال میں بجا طور پر اسلامی برقی قوتیں ملت کے نوجوان ہیں بشرطیکہ وہ اپنا وتیرہ بدل لیں اور قومی ترقی اور ملی نمو کا احساس ان میں اجاگر ہو جائے۔

یہ ہوسکتا ہے کہ وہ نفسیاتی سکون کے حصول کے لیے بربادیوں کا سارا بوجھ اپنے بزرگوں کے کندھوں پر پھینک دیں یا پھر توجیہہ اور توضیح کا یہ راستہ اختیار کرلیں کہ یہ دور شرافت کا نہیں، یہاں نیکی کو تحریکی صورت میں اپنانے پر مذاق بننے والی بات ہے،یہ بحث تو الگ ہے۔نیک لوگ اگر یہ فلسفہ اپنالیں کہ ”ہر شخص کو اپنی اپنی قبر میں جانا ہے“ اور مغرور عناصر یہ منطق اختیار کرلیں کہ ہمارا دور نیکی کا دور ہی نہیں تو نتیجہ کیا برآمد ہوگا۔یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ معقولیت نہیں کہ چوروں کو دیکھ کر آدمی چور اس لیے بن جائے کہ اگر میں چور نہ بنا تو لوگ مذاق کریں گے۔شرابیوں کو دیکھ کر شراب اس لیے پی جائے کہ اگر میں نے شراب نہ پی تو لوگ ٹھٹھہ کریں گے۔اس وقت نوجوان مسلمان فسق و فجور کو بطور فیشن اپنا رہے ہیں۔محض اس لیے کہ اگر ہم نے اس غلط تہذیب کی بساط کو یکسر الٹ دیا تو مذاق بن جائیں گے حالانکہ قیامت کا معاملہ بالکل ہی دوسری نوعیت کا ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ
يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا
رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾
فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾

(المطففین: ۲۹ تا ۳۴)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے جرائم کیے وہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو ایک دوسرے کی طرف ذلت آمیز اشاروں سے اُن کا مذاق اڑاتے اور جب اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے تو خوش گپیاں کرتے ہوئے لوٹتے اور جب وہ ایمان والوں کو دیکھتے کہتے بے شک یہی اصل راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ اُن پر محافظ بنا کر تھوڑے ہی بھیجے گئے تھے، پس آج وہ جو ایمان لائے کفار پر ہنس رہے ہیں“۔

نوجوانو!

اس وقت تمہاری سوسائٹی وہ حمام بن چکی ہے جس میں اس کا ہر رکن ننگا کھڑا ہے، بجائے اس کے کہ بے حیائی کا یہ انداز تم خود اپناؤ اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤ اور حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ایک ایسے جہاد کا آغاز کرو جس کے نتیجے میں خدا کا دین تمام شؤنِ حیات میں غلبہ حاصل کرے۔

حتی یکون الدین للہ

شاید اپنی جگہ تم یہ امید لگائے بیٹھے ہو کہ زندگی کا یہ عالی مقصد پورا کرنے کے لیے ایک ارب سے زیادہ مسلمان موجود ہیں، پچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں کام کر رہی ہیں اور زمین پر لاکھوں مسجدوں کے مینار اٹھائے جا رہے ہیں۔

یاد رکھو!

میں قرآن مجید کے گہرے اور عمیق مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس عالمِ رنگ و بو میں اس وقت ایک جہالت وہ ہے جو دنیائے کفر کی طرف سے پھیلائی جا رہی ہے اور دوسری وہ جسے مسلمان بغل میں دبائے ہیں۔ ایک طاغوت کفر کی صورت میں ہے اور دوسرا طاغوت وہ مسلمان ریاستیں ہیں جن میں خدا کے دین کی بجائے سرمایہ داریت، شہنشاہیت، جنگل راج، اشتراکیت اور عبث جمہوریت کے صنم پوجے جا رہے ہیں۔ اب تم بتاؤ ایک گھر کو آگ لگ جائے تو اُسے بجھانے کی سر توڑ کوشش کی جاتی ہے۔ سارا عالم بدی اور شرک کی آگ میں جل رہا ہے لیکن کیا مسلمان کیا کافر اسے بجھانے کی بجائے اس پر تیل چھڑک رہے ہیں۔

لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (الکہف:۲۶)

''نہ وہ کسی کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے''۔

ان نار بداماں حالات میں زندہ دلوں کی دھڑکن اور فطرت کی آواز نوجوان ہو سکتے ہیں۔ جن کے جلنے، کٹنے، مرنے اور قربانی دینے سے وہ نسل کھڑی ہو سکتی ہے جس کی حرکت و محنت سے اس دُنیا کا نقشہ بدلا جا سکتا ہے اور خلافتِ الٰہیہ جیسا پاک مقصدِ رسالت پورا کیا جا سکتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ

(النور:۵۵)

''اللہ نے تم میں سے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت سے نوازے گا جیسا اُس نے ان سے پہلے لوگوں کو زمینی حکومت عطا کی تھی اور وہ ان کے لیے اُن کے دین جسے اُس نے اُن کے لیے پسند کیا مستحکم فرمائے گا اور اُن کے پچھلے خوف کو امن سے ضرور تبدیل فرمائے گا، وہ میری ہی عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے''۔

قیامِ خلافت اور نظامِ عبادت اسلام میں ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں اور ان دونوں کے حصول کے لیے ایک مسلسل جہاد کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مواد اللہ تعالیٰ نے صرف نوجوانوں کو عطا کر رکھا ہے۔

نوجوانوں کی اس وقت دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو کاملاً اپنے آپ کو بندۂ شیطان بنا چکے ہیں اور دوسرے وہ جن کی آنکھوں میں ابھی تک دینی غیرت اور حمیت موجود ہے اور معصوم دینی نوجوانوں کی بدقسمتی کہ مذہبی جاگیرداری نظام نے انہیں اپنی بوسیدہ روایات کی پرستش کا اس قدر خوگر بنا دیا ہے کہ اسلام کا انقلابی فلسفہ حیات ان کی سمجھ سے از حد باہر ہو گیا ہے۔ ایک عرصہ سے گوہر نظر جوانوں کے شباب ڈھل کر بڑھاپے میں بدل رہے ہیں اور مسلمانوں کی پارہ نظر نسلیں آنے والی نسل کی گود میں دم توڑ رہی ہیں لیکن روایتی جنون کے سیاہ ناگ برابر کاٹتے چلے جا رہے ہیں، یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ہم روایات دشمنی سے ہرگز مادر پدر آزاد ہونا مراد نہیں لیتے۔ ہماری نظر میں اب بھی ''انقلاب'' رسول اللہ ﷺ کی کامل اور مکمل اطاعت اور اتباع ہی سے آئے گا لیکن ہمارے نزدیک اتباع اور اطاعت کا مفہوم نہایت وسعت رکھتا ہے۔ ہم انقلاب کے لیے اس دورِ جدید میں بھی ایک زبردست، ٹھوس اور ثمر آور تحریک کے لیے منہج رسالت کی جز بجز اطاعت لازم تصور کرتے ہیں۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ دینی نوجوانوں کا معصوم اور مظلوم گروہ بُری طرح ''مولویانہ رقابتوں'' کی بھینٹ چڑھ رہا ہے۔ فرقہ وارانہ ابحاث اور طلسمات نے ایک پوری نسل کو مسل ڈالا ہے۔ خانقاہ اور محراب باستثنائے نیک دلاں مایوسی اور بدنظمی کے جھنجنوں سے کھیل رہے ہیں۔ مادہ گیری کے جتنے طریقے یہاں سے جنم لیتے ہیں، ابلیسی ماہرین معاشیات کے علم میں بھی نہ ہوں گے۔

ہمارا مقصد کسی بھی ''حلقہ آدمیت'' سے مخالفت برائے مخالفت نہیں بلکہ ہم تو ''نوجوانوں'' کی ایک ایسی ''ٹیم'' دیکھنا چاہتے ہیں جو قرآن اور سنت رسول ﷺ کا فہم ٹھیک دورِ رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کے تناظر میں رکھ کر حاصل کرے اور پھر یکسوئی سے دینی دعوت عام کرے لیکن کمال

کی حد تک۔۔۔عمل کرے لیکن اخلاص کا نور لے کر۔۔۔جہاد کرے لیکن فیصلہ کن عزائم سے اور نتیجتاً اسلام نافذ کرے، انسانیت کی بھلائی کے لیے اس راہِ حق میں دولت اس کے راستے نہ بدل سکے۔

جزوی اقتدار اس کی گردن جھکانے میں ناکام ہو جائے

جہالت نورِ بصیرت چھیننے میں منہ کی کھائے

باطل عناصر کے مسلم شکن حربے انہی کی پاؤں کے زنجیر بن جائیں

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ لکھتے ہوئے میرا قلم خجالت سے چیختا ہے۔حروف انقلاب پیدا نہیں کرتے۔انقلاب کے لیے ایک جانباز، ایماندار اور حوصلہ کیش قوم درکار ہوتی ہے۔شاید قوم سازی اور استقبال نوازی کی یہ عظیم خدمت کسی غریب گھرانے کا کوئی نوجوان سرانجام دے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم ان کو خبر ہونے تک، مے کشی کی رسم نبھانا آسان ہے اور ہاؤ ہُو کی محفلیں ممکن، لیکن دل کے تاروں پر حقیقت کا نغمہ چھیڑنا اور لوگوں کے خون کو مائل بہ جہاد کرنا کارے دارد۔

نوجوانو! ہمیں پاکستان بنانا ہے اپنے اجسام پر۔۔۔۔اپنے اجساد پر اپنی ارواح پر، سیرت میں کردار میں، زمان و مکاں میں، حالات خواہ کیسے بھی ہوں۔۔۔۔ہمیں پاکستان بنانا ہے۔۔۔۔پاکستان کو پاکستان بنانا ہے۔۔۔۔جل کر، کٹ کر، مر کر۔۔۔۔خدا کی ساری زمین کو پاکستان بنانا ہے۔۔۔اسلامستان بنانا ہے۔۔۔۔نورستان بنانا ہے۔خدا کی تائید سے، مصطفٰے ﷺ کی نگاہ سے اور قرآن کے نور سے۔۔۔۔پاکستان بنانا ہے۔۔۔۔انشاءاللہ بنانا ہے۔

یاد رکھو!

جہاں قرآن نہیں۔۔۔۔جہاں نبی کی سنت نہیں۔۔۔۔جہاں اسلام کا نور نہیں۔۔۔۔وہ پاکستان نہیں۔۔۔۔وہ امراء کا عشرت کدہ ہے، وہ جاگیرداروں کی سیر گاہ ہے۔۔۔۔وہ سرمایہ داروں کی شکار گاہ ہے۔۔۔۔وہ افسروں کا قحبہ خانہ ہے۔وہ سیاستدانوں کا اکھاڑہ ہے۔۔۔۔وہ سپہ سالاروں کی جاگیر ہے۔۔۔۔وہ سبزوں کا ملعب ہے، سرخوں کا بھٹ اور آدابِ غلامی سکھانے کی تربیت گاہ ہے۔

مسلم جوانو! میرے جگر کے ٹکڑو!

نہ مانو! قطعاً نہ مانو!

افسر شاہی کو۔۔۔۔بادشاہی کو۔۔۔۔شہنشاہی۔۔۔۔وزیر شاہی کو۔۔۔۔نفس شاہی کو۔۔۔شیطان شاہی کو۔۔۔درہم شاہی کو۔۔۔ریال شاہی کو۔۔۔اور دولت شاہی کو۔۔۔۔

اور اب ہو جاؤ آمادہ مخالفت!

زمانے کے ہر فرعون کے خلاف۔۔۔۔زمانے کے ہر نمرود کے خلاف۔۔۔۔زمانے کے ہر یزید کے خلاف۔۔۔۔

نہ مانو! غیر اسلامی اور باطل قوانین کو!

خدارا نہ مانو۔۔۔۔تمہیں تمہاری عاقبت کا واسطہ۔۔۔۔نہ مانو! طاغوت کو، سوشلزم اور کمیونزم کو! فتنہ کو اور فساد کو۔۔۔۔ظلم اور استحصال کو! ماننے کے لیے صرف اللہ ہے۔رسول ﷺ ہے۔۔۔۔قرآن ہے اور سنت نبی ﷺ ہے۔ہمیں تمہارا انتظار ہے، آؤ آخر جہاد کریں۔

اسلام کے غلبہ کے لیے۔۔۔۔خدا کی رضا کے لیے۔۔۔۔اور مصطفٰے ﷺ کی خوشنودی کی خاطر، اگر تم ہمارے ساتھی ہو اور یقیناً ہو تو ایمان مضبوط کرو۔۔۔۔یقین محکم رکھو۔۔۔۔نمازیں قائم کرو۔احکامِ خدا بجالاؤ۔

مال و جان کی قربانی دو، عفت کو داغدار مت بناؤ۔۔۔۔سنجیدگی اختیار کرو، بڑوں کی عزت ان کا حق سمجھو، چھوٹوں پر شفقت لازم رکھو۔۔۔۔عصری علوم میں مہارت پیدا کرو، قرآن کی تلاوت کرتے رہو۔۔۔۔محبت کا نور پھیلاتے رہو۔۔۔۔حسد، بغض اور چغلی سے بچو۔۔۔۔ماں باپ کا ادب کرو۔۔۔۔لباس ہمیشہ سادہ پہنو۔۔۔۔علم سیکھتے رہو۔خیانت سے باز رہو۔۔۔۔وعدوں کا پاس رکھو۔۔۔۔وقت کی پابندی کرو۔۔۔۔اللہ کے محبوب بندوں کے مزارات پر حاضری دیتے رہو۔۔۔۔جھوٹ کسی بھی حالت میں نہ بولو۔۔۔۔ساتھیوں کی عیب پوشی کرو۔۔۔۔رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔۔۔۔نیکی کا

حکم دیتے رہو۔۔۔۔۔ برائی سے منع کرتے رہو۔۔۔۔۔ بے شک اللہ تم سے راضی ہوگا اور رسول ﷺ کی شفاعت تمہیں نصیب ہوگی۔

اے تاریکیوں میں روشنیوں کے انقلاب لانے والی ذات!

راہ حق میں وہ ساتھی نصیب فرما جن کی معیت سے تکمیلِ مقصد کی منزل آسان ہو۔

زندگی کا سفر سکون سے گزرے اور جب ہم دنیا سے اٹھیں تو ہمارے نیک وارث، مقاصد کی شمع کو روشن رکھیں۔

آمین۔ بجاہ سید المرسلین والصلوٰۃ والسلام علی سائر المرسلین خصوصاً علی خاتم النبیّن

☆☆☆☆☆

نظام عبادت کو سمجھنے کے لئے سید ریاض حسین شاہ کی تصنیف ''سراغ زندگی'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چراغِ راہ

قرآن مجید کا صحیح فہم حاصل کرنے اور اس کے ثمرات سے متلذذ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ خدا اور رسول ﷺ اور کتابِ منیر پر ایمان رکھتے ہوں اور اس بات پر آپ کا مکمل یقین ہو کہ اس زندگی کے بعد ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہر انسان کو خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

عقیدے کے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آپ اللہ کی ذات پر یہ ایمان رکھیں کہ وہ اَحَد اور اکیلا ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ وہ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ عیوب سے پاک ہے۔ جمیع مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ بے نیاز اور غنی ہے۔

محمد ﷺ کی ذات پر ایمان رکھیں کہ آپ اللہ کے رسول خاتم النبیین ہیں اور خدا کے بعد مقدس اور بزرگ ترین ذات رسول اللہ ﷺ ہی کی ہے، آپ اپنی ذات میں بے عیب ہیں۔ ہر قسم کی لغزشوں، کوتاہیوں اور خطاؤں سے آپ بلکہ جمیع انبیاء کرام معصوم ہیں۔ وہ بشری کمزوریاں جو عام انسان میں ہوتی ہیں، ان کا انبیاء کرام کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے جس کا نزول رسول ﷺ پر ہوا، یہ لاریب ضابطہء کائنات ہے جو شخص اس کی تعلیمات سے منہ موڑتا ہے وہ خدا کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ اس زندگی میں اس کے لیے الجھن ہوتی ہے اور آخرت میں بھی وہ رسوا ہوگا۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں قرآن مجید رہنمائی نہ کرتا ہو۔ یہ چونکہ اللہ کی کتاب ہے اس لیے یہ بھی بے عیب کتاب ہے۔ اسلام اور قرآن کی موجودگی میں کسی دوسرے قانون کو برحق یا قابلِ عمل سمجھنا ظلم عظیم ہے۔

اسلام میں عقائد کی جان و روح مذکورۃ الصدر یہی تین چیزیں ہیں۔ قرآن مجید پڑھتے ہوئے کسی مقام پر اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسی خلش پیدا ہو جو ان تین چیزوں کے خلاف ہو تو

آپ اسے اپنی عقل کا قصور سمجھیں، یا یہ یقین کرلیں کہ آپ کے ذہن پر آپ کے ماحول کا اثر ہے جو فہم قرآن میں ایک رکاوٹ ثابت ہوسکتا ہے۔

جس طرح نماز کے لیے وضو اور طہارت شرط ہے بعینہٖ قرآن کے لیے عقیدے کا صاف ہونا اشد لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے طالب علم کو یہی مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ، رسول اور قرآن مجید کے بارے میں اپنا عقیدہ صاف کرے اور یہ اقرار کرے کہ:

☆ اللہ ہمارا ربّ ہے اور بے عیب ہے۔

☆ محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں اور بے عیب ہیں۔

☆ اسلام (قرآن) ہمارا دین ہے اور بے عیب ہے۔

ایک حدیث میں رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوگیا۔

اس ایمان اور ایقان کے بعد آیئے کتابِ انقلاب کو سمجھنے کی طرف بڑھتے ہیں لیکن یہ وعدہ بہرصورت آپ کو اپنی ذات اور اللہ تعالیٰ سے کرنا ہوگا کہ جو کچھ میں قرآن حکیم سے سیکھوں گا۔ حتی المقدور اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کروں گا۔

دوستو! قرآن مجید محض نظریات اور اعتقادات کی کتاب نہیں، بلکہ یہ ایک تحریک ہے اور عالمگیر اسلامی تحریک کا منشور۔ اسے اس وقت تک صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا، جب تک آپ اپنا ذہن تحریکی نہ بنالیں اور اس عظیم اور مقدس مشن کے لیے آپ کو اپنی زندگی حرکی اور فعال بنانا ہوگی۔

آپ یہاں سے جو کچھ سیکھیں، اس کے نفاذ اور پرچار کے لیے بھرپور اور مخلصانہ کوشش کریں۔ اپنے معاشرے میں جہاں اور جو بھی آپ کو خلا نظر آئے تندہی سے اسے پُر کرنے کی کوشش کریں، یہ جب ہی ہو سکے گا کہ آپ اپنا ذہن اس کام پر آمادہ کریں۔ اپنے اوقات کا

محاسبہ کریں اور شخصی تکمیل و تطہیر اور نشو و تزئین کے اس مرحلہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ آپ کی ساری زندگی کا محور اور مرکز اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی غلامی ہو جائے۔

قرآن مجید پڑھتے ہوئے آپ کی گرفت اس یقین پر مضبوط رہنی چاہیے کہ یہ کلام خدا کا کلام ہے اور فی زمانہ اس سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہیں ہو سکتی۔ اس طرزِ عمل اور مسلسل مراقبہ سے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کا تزکیہ بھی ہوگا اور یہ چیز از حد لازمی ہوتی ہے۔ جب باطنی اور روحانی صفائی نہ ہو تو تنظیمی، تحریکی اور جہادی سپرٹ کا پیدا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اس مقصد کے پورا ہونے کے لیے آپ کے لیے ہمارا یہ مشورہ بھی ہے کہ گاہے گاہے اہل اللہ کی مجالس میں بھی حاضری دیا کریں۔ ذکر و اذکار اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام میں کثرت برتیں لیکن ان سب چیزوں کا مقصد اپنے منشور کی تکمیل سمجھیں اور اس بات سے ذرا غافل نہ ہوں کہ آپ کو اس دھرتی پر نیابت الٰہیہ اور قانونِ خدا کا قیام بہر صورت عمل میں لانا ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم میں علم برائے علم کا نظریہ نہایت خطرناک ہوتا ہے اور اس نہج پر حاصل کی گئی معلومات فائدہ سے زیادہ نقصان دیتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا علم حاصل کرنے والا قرآنی مقاصد سے غافل ہوتا ہے اور اس غفلت کی وجہ سے اس کی اپنی ذات بھی نورِ اصلاح و فلاح سے محروم رہ جاتی ہے۔ محض معلومات کی کثرت طبیعت میں عجب اور خود پسندی پیدا کرتی ہے اور اس سے اکرامِ انسانیت کا نظریہ مجروح ہوتا ہے اور بعض اوقات اس سے مزاج چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور یہ چیزیں انسانی ذات سے جمالیاتی ذوق کو ختم کر دیتی ہیں جب کہ دین کی بنیاد جمالیاتی خاکے پر ہی رکھی جاتی ہے اور کسی ذات میں اس ذوق کا قائم رہنا ضروری بھی ہوتا ہے۔ یہی وہ اہم نکتہ ہے جس کی وجہ سے ہم قرآن مجید پڑھاتے ہوئے عام طور پر جدالی رویے سے گریزاں رہتے ہیں اور متفق علیہ قسم کی چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، البتہ وہ لٹریچر (Literature) جس میں ہمارے بنیادی عقائد کی تذلیل کی گئی ہو یعنی خدا، رسول اور اسلام کی توہین کی گئی ہو تو اس کا محاکمہ اور محاسبہ کرنا ہم اپنا علمی فریضہ سمجھتے ہیں، تاہم طلباء کے لیے

اس سلسلہ میں یہی ہدایت ہے کہ ہماری بات حتمی نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ ''من کل الوجوہ'' درست ہو۔ اگر آپ ہماری زبان اور انداز کار میں کوئی ایسی بات پائیں جس سے ہمارا بنیادی مؤقف (خدا، رسول، اسلام) مجروح ہوتا ہوا محسوس ہو تو آپ کا یہ کھلا حق ہے کہ آپ ہماری توجہ کو صحیح اور صائب نظریہ کی طرف مبذول کرائیں، لیکن انداز بہر صورت جمالیاتی ہونا چاہیے اور مسائل پر گفتگو کے لیے آپ کو علیحدہ وقت کا تعین بھی کرنا چاہیے۔

یاد رہے!

کہ دورانِ تدریس ہم مناظرہ، مباحثہ اور بے جا مکالمہ سے گریز کریں گے اور وقت کے صحیح استعمال کی صورت بھی یہی ہے۔ تعلیم کے دوران قرآنی صحیفہ اپنے سامنے ضرور رکھیں اور ہر رکوع کے ساتھ ساتھ یہ ضرور لکھتے چلے جائیں کہ کلام ربی کے تقاضے کیا ہیں اور سوچ لیں کہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد ہماری زندگی کی تصویر کیا ہوگی اور یہ فیصلہ بھی کر لیں کہ موت سے پہلے ہمیں اپنے دین کے لیے کیا کچھ کرنا ہے۔

دوستو!

یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ آپ بے دشمن نہیں، جہاں خزانہ زیادہ ہوتا ہے، چور اور ڈاکو اس سمت زیادہ رُخ کرتے ہیں۔ شیطان آپ کا سب سے زیادہ دشمن ہے، یہ کتنے ہی قافلوں کو لوٹ چکا ہے، اس نے کتنے ہی ایسے لوگوں کو جن کے چہروں پر خدا کی محبت کا نور تھا ایسا کر دیا کہ ان کے چہروں پر محرومیوں کا غبار اڑنے لگا اور بدبختی کی سیاہی نے ان کی شخصیت کو تاریک کر دیا۔

آپ جو اللہ کی کتاب ''قرآن مجید'' پڑھنے کے لیے بڑھے ہیں۔ شیطان پوری پوری کوشش کرے گا کہ آپ کے دامن کو قرآنی نور سے محروم کر دے۔

دوستو!

عزم و ہمت سے چوکنا رہ کر اس کے داؤ سے بچیے اور ہمیشہ اس مردود کی چالوں سے خدا کی پناہ طلب کرتے رہیے۔ اس سلسلہ میں کلمہ تمجید (تیسرا کلمہ) بڑا کارگر نسخہ ہے۔ اس کا وظیفہ

رکھیئے، خداوندقدوس آپ کوشیطان لعین کی چالوں سے محفوظ رکھے گا۔

دینی راہ میں شیطان ہی رکاوٹ نہیں ہوتا بعض اوقات نفس بھی ایک مستقل رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اپنی خواہشات ہی انسان کوفراغت نہیں دیتیں کہ صراط مستقیم پر چلا جائے اور خدا کی رضا کے لیے اس کا دین سیکھا جائے اور نیک لوگوں سے مجلس کی جائے۔

کتنی ہی بار ایسے ہوگا کہ قرآن مجید سیکھتے وقت آپ کا جی چاہے گا کہ چلو آج نہیں کل پڑھ لیں گے۔ ایک آدھ غیر حاضری سے کیا نقصان؟

بھائیو!

ایسے مواقع پر بڑی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ خدا کی رضا کے لیے اور اپنے مشن کی تکمیل کے لیے قربانی دینا ہی پڑتی ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ دینی خدمت کے جذبہ سے چلے ہیں تو پھر ہماری یہ تحریک اس بات کی متحمل نہیں کہ اس راہ میں سستی کی جائے۔

بات رکاوٹوں کی چل نکلی تو یہ بات بھی فراموش نہ کی جائے کہ معاشرہ اور سوسائٹی بھی بعض اوقات دینی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ابھی آپ قرآن مجید پڑھنا شروع کریں گے، بعض لوگ کہیں گے ''یار اتنی دور جانے سے کیا فائدہ'' بعض آپ کو مولوی اور ملا جیسی اصطلاحوں سے ملقب کریں گے، گھبرانے کی بات نہیں، راہِ حق میں بہت سے مشکل مقامات آتے ہیں۔

وہ لوگ جو اپنے آپ کو اللہ کے لیے سمجھتے ہیں انہیں احبابِ معاشرہ کی بہت باتیں سہنی پڑتی ہیں۔ آپ ریت نہ بنیں کہ ہوا کے دوش پر اڑتے پھریں۔ استقامت کے ساتھ آگے بڑھیں، قرآن مجید سیکھیں اور سکھائیں تاکہ ہمارے گھر گھر میں کلامِ خدا کا نور عام ہو جائے۔

آپ چونکہ طالب علم ہیں اور طالب علم بہت قسموں کے ہوتے ہیں، بعض تو علم سیکھنے آتے ہیں اور بعض استاد کی صلاحیت دیکھنا چاہتے ہیں بعض اس کھوج میں ہوتے ہیں کہ پڑھانے والوں کا مسلک کیا ہے اور بعض تنقید کا رویہ رکھتے ہیں۔

دوستو!

یہ باتیں قرآن پڑھنے والوں کے لیے اتنا فائدہ نہیں رکھتی ہیں۔نیت صاف کریں اور اللہ کی کتاب کو جمالیاتی انداز میں خدا کا کلام سمجھ کر پڑھیں، پھر دیکھئے یہ کیسے انقلاب پیدا کرے گی۔

تعلیم میں ادب نہ ہو تو وہ بے اثر ہوتی ہے، بے ادب ہمیشہ محروم رہتا ہے۔قرآن مجید سیکھتے ہوئے ادب کے تقاضوں کو فراموش نہ کریں۔بے معنی اور فضول کلام میں مصروف نہ ہوں۔تعلیم کے علاوہ جو وقت ملے اللہ کے ذکر میں گزاریں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔آپ اور ہم جو خدا کا کلام سیکھنے نکلے ہیں ہمیں تو دعاؤں کی ضرورت ہے۔ہمیشہ علم اور عمل کی دعا کرتے رہیں۔

دیکھئے!

حضور ﷺ جنہیں اللہ تعالیٰ نے خشک وتر کا علم دیا تھا، آپ بھی اشتیاق سے ''رَبِّ زِدْنِی عِلْما'' (اے میرے ربّ میرا علم بڑھادے) کہ الفاظ میں دعا کرتے تھے۔آپ بھی ہمیشہ یہ دعا کرتے رہیں، خصوصاً قرآن مجید کا سبق شروع ہونے سے قبل اور بعد درود شریف پڑھیں اور خلوص سے یہ دعا سات مرتبہ دہرائیں۔

صاحبو!

ہمارے دین میں وقت کی بڑی قیمت ہے۔نمازیں، روزے، حج سب ہی وقت کی پابندی سے ادا کئے جاتے ہیں۔قرآن مجید کے اسباق کے لیے بھی ضروری ہے کہ وقت کی پابندی کی جائے اور اوقات کو ضیاع سے بچایا جائے۔

آخر میں ایک ضروری بات کی نشان دہی ضرور کروں گا کہ ہوتا یہ ہے کہ جونہی کسی شخص کے سینے میں دعوتِ قرآن اور تعلیم قرآن کی تڑپ پیدا ہوتی ہے اور اللہ کا نور اسے اکساتا ہے کہ کوئی کام کرے تو وہ اپنی لائن سیدھی کرنے کے بجائے منفی رویے پر اتر آتا ہے کہ جی علماء کام نہیں کر رہے، مشائخ کو کام کرنے کا سلیقہ نہیں، فلاں ایسے ہوگیا، فلاں ویسے ہوگیا۔

دوستو!

ہمارا دین ان باتوں سے شدت کے ساتھ منع کرتا ہے۔ اگر آپ کے قافلے میں کوئی شریک ہوتا ہے تو اسے لے کر آگے بڑھیں۔ اگر نہیں تو آپ کو دائیں بائیں الجھنے سے کیا فائدہ؟ اکرامِ انسانیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور غیبت کے جرم سے اپنی زبان کو آلودہ نہ ہونے دیں۔

بہت سی باتیں انشاء اللہ آگے چل کر ہم کریں گے، فی الوقت آیئے! مل کر عزم کریں کہ ہماری زندگی موت سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہوگا۔ ہم اپنے اللہ کو راضی کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے اور ہمارا دم دم احیائے اسلام کے لیے صرف ہوگا۔

دعا کیجئے:

اے جہانوں کے پروردگار! تو راضی ہو جا

اے پیارے حبیب! آپ نظرِ کرم فرمائیں

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ عرفان

مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کا نزول حضور ﷺ کے قلبِ منیر پر اس لیے ہوا تا کہ آپ اس کی تعلیم سے انسانوں کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے فلاح واصلاح کی راہ ہموار فرمائیں۔ آپ ﷺ نے رات دن محنت فرما کر خدا کے اس پیغام کو کما حقہ انسانوں تک پہنچا دیا بلکہ قرآنِ حکیم کے وہ مقامات جن کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آ سکتی تھی، اسے اپنی خداداد صلاحیتوں سے یوں بیان فرمایا کہ آپ کی احادیث جو درحقیقت حضور ﷺ کی زندگی کی روئداد ہیں، جسے صحابہ کرام نے محفوظ کیا، ایک مستقل تفسیر کی صورت اختیار کر گئیں۔

کتاب اللہ کے مطابق یہ بات مسلمہ ہے کہ حضور ﷺ ''خاتم النبیّن'' ہیں اور آپ کا یہ وصف ''ختم نبوت'' جہاں آپ کی اس عظمت اور رفعت پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت تک کے ہونے والے انسانوں کے لیے رہبر اور رہنما آپ ہی ہیں، وہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضو ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد تعلیم کتاب و تزکیۂ قلوب کی کون سی صورت رہ جاتی ہے اور قیامت تک کے لیے دیئے گئے دین کا داعی کون ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کے قاری کے لیے اس بات کا سمجھنا اس لیے دشوار نہیں کہ پروردگار عالم نے خود حضور ﷺ کے غلاموں کے بارے میں اپنے کلام میں یہ ارشاد فرما دیا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین اُمت ہو جس کی تشکیل ہی لوگوں کے لیے کی گئی تم نیکی کا حکم دیتے

ہو، بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہو"۔

خداوند قدوس کے اس ارشاد کے مطابق ہم مسلمانوں کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ ہم نیکی کے نظام کو پھیلانے اور برائی کے نظام کے خاتمے کے لیے اپنی مساعی بروئے کار لائیں اور اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ ہم اپنی زندگی کے مقاصد کی تکمیل سے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں اور ظاہر ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں پر یہ امر بھی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں کہ سخی وہی ہوتا ہے جو کچھ عطا کرے اور دکھائی اسی کو دیتا ہے جس کی نظر سلامت ہو۔ خالی ہاتھ معطی نہیں بن سکتے اور بجھی شمعیں روشنی نہیں دیتیں۔ مسلمان خیر اُمت جب ہی ہو سکتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی دولت جو خیر ہی خیر ہے اور نور ہی نور ہے، ایمان و عمل کے لحاظ سے مفلس انسانوں کے درمیان تقسیم کریں اور یہ جب ہی ممکن ہوگا کہ مسلمانوں کے اپنے دامن اس نور سے بھرے ہوئے ہوں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دعوتِ قرآن مجید کو سمجھا جائے اور ایک تڑپ اور لگن کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ اس اہم مقصد کی خاطر قرآن مجید مسلمانوں پر جو ذمہ داریاں عائد کرتا ہے انہیں حضورﷺ کی ایک حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا اھل القران لاتتوسدوا القران واتلوہ حق تلاوتہ عن انآء الیل والنھار وافشوہ وتدبر وامافیہ لعلکم تفلحون ولاتعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابا

"اے قرآن والو! قرآن سے تکیہ نہ لگاؤ۔ رات دن اس کی تلاوت یوں کرو، جیسا کہ اس کا حق ہے اس کو پھیلاؤ اور اس میں تدبر کرو تا کہ تمہاری فلاح ہو اور اس کا ثواب (بدلہ) لینے میں جلدی نہ کرو۔ بے شک اس کی ضرور ایک جزا ہے۔"

یاد رہے کہ "اہل قرآن" بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے دل پوری طرح یہ یقین رکھتے ہوں کہ قرآن خداوند قدوس کا کلام، اس کی کتاب اور انسانوں کے لیے اس کا ہدایت نامہ ہے اور یہ یقین بھی ہو کہ قرآن کے علاوہ جتنے ضابطے و قوانین اور کتابیں ہیں، وہ کامل نہیں اور سینوں میں عظمتِ قرآن کے نقش اس قدر گہرے ہونے چاہئیں کہ خدا کی کتاب کا تعلق جنون اور شیفتگی کی صورت اختیار کر جائے۔

حضرت عکرمہ ؓ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو بے ساختہ ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو جاتے:

ھذا کلام ربی۔ھذا کلام ربی

یہ میرے ربّ کا کلام ہے، یہ میرے ربّ کا کلام ہے۔

اور یہ کہتے کہتے بے ہوش ہو کر گر جاتے۔

حضرت عثمان ؓ رات کی نماز میں اس قدر قرآن حکیم پڑھتے کہ ساری رات گزر جاتی۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ رات قرآن مجید پڑھتے پڑھتے اتنا روتے کہ آپ کو گھر میں قیام کرنا پڑتا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کی عیادت کے لیے آنے لگتے۔ تلاوت کے لیے گریہ وزاری کے احوال صحابہ کے ہاں اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

بات جو چل رہی تھی، وہ تھی مسلمانوں کا ''اہل القرآن'' ہونا۔ تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات پر دل سے ایمان رکھیں۔

قرآن مجید پر ایمان اور یقین کے بعد اس کا دوسرا حق جو مسلمانوں کے ذمے پڑتا ہے وہ ادب اور احترام ہے اور اسی کی طرف مذکورہ صدر حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تتوسدوا القران

''قرآن مجید سے تکیہ نہ لگاؤ''۔

حضور ﷺ کے اس قولِ مبارک سے محدثین نے جو معنی لیا وہ یہی ہے کہ قرآن مجید سے تکیہ نہ لگایا جائے اس کی طرف پیٹھ نہ پھیری جائے اور اس کی طرف پاؤں پھیلانے سے اجتناب کیا جائے۔ البتہ بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ ''قرآن پر تکیہ نہ لگاؤ'' کنایہ استعمال ہوا ہے یعنی اسے صرف حصولِ برکت کے لیے ہی نہ استعمال کیا جائے، بلکہ اس کی تعلیمات پر عمل بھی کیا جائے۔

اس کے علاوہ تعوذ اور تسمیہ سے آغاز کرنا بھی قرآن مجید کی تلاوت کے آداب میں شامل ہے۔

حدیث شریف کے دوسرے ٹکڑے میں رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

واتلوہ حق تلاوتہ عن انآء الیل و النھار

''رات دن اس کی تلاوت یوں کرو جیسا کہ اس کا حق ہے''۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایمان اور ادب وتوقیر کے بعد سب سے پہلے ہمارے ذمہ قرآن مجید کا جو حق لازم ہوتا ہے وہ اس کی تلاوت ہے اور عربی میں تلاوت کے دو معنی مستعمل ہیں: ایک پڑھنا اور دوسرا پیروی کرنا۔

ہم عجمی ہیں اور عربی زبان سے ناواقف ہیں۔اس بنا پر تلاوت کے لیے ہمیں سب سے پہلے قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے کا طریقہ سیکھنا چاہیے اور اس سلسلہ میں تجوید یعنی شناختِ حروف اور ان کے مخارج کے قوانین کی پابندی رکھنی چاہیے وگرنہ مفاہیم قرآن مجید کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔اس کے علاوہ آہستہ آہستہ پڑھنا، خوش الحانی سے قرأت کرنا، قرآن مجید کا یاد کرنا اور تلاوت کردہ آیات کے معانی اور مطالب سمجھنے کی کوشش کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کی پیروی اور اتباع کرنا تلاوت کے مفہوم میں آتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (البقرہ:۱۲۱)

''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، وہی اس پر پکا ایمان بھی رکھتے ہیں اور نقصان اُٹھانے والے تو وہی ہوتے ہیں جو اس کے منکر ہوتے ہیں''۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں قرآن مجید جاننے والوں کی کمی نہیں، علماء ہیں، حفاظ ہیں اور قراء موجود ہیں لیکن تعداد اور آبادی کے لحاظ سے ''تعلیم کتاب'' کا کام اس بھرپور طریقے سے نہیں ہوا جس طرح ہونا چاہیے تھا۔

سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ جدید تعلیم کے عام ہو جانے کے باوجود صحت سے قرآن مجید پڑھ بھی نہیں سکتے، فہم اور مطلب کا سمجھنا تو دوسری بات ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان

من حیث الجماعت ''تعلیم کتاب'' کی اہمیت کو سمجھ لیں اور عشق و محبت کے ساتھ اپنے آپ کو قرآن مجید کے سپرد کر دیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

''تقویٰ کو لازمی اختیار کرو، اس لیے کہ یہ تمام اُمور کا اصل ہے''۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ کچھ مزید ارشاد فرمائیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

علیك بتلاوۃ القران فانه نور لك فی الارض وذخر لك فی السمآء

''قرآن مجید کی تلاوت کرو اس لیے کہ یہ دُنیا میں نور ہے اور آخرت میں خزانہ''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری اُمت کی رونق اور فخر قرآن مجید ہے''۔

سنن ابی داؤد شریف کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر ''کتاب اللہ'' کی تلاوت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کرتی ہے تو اللہ کی طرف سے ان پر سکینہ (سکونِ قلب) نازل ہوتی ہے، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔

مذکورہ اوّل حدیث میں حضور ﷺ نے ''حق تلاوت'' کی تلقین کے بعد ارشاد فرمایا:

''وافشوہ'' یعنی اسے پھیلاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنی ساری ظاہری زندگی قرآن مجید کی تعلیم میں گزاری اور نبی اور رسول ہونے کے لحاظ سے پروردگار عالم نے آپ کی بعثت کا مقصد بھی یہی ٹھہرایا تھا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

''اور نازل کیا آپ پر ''ذکر'' تا کہ آپ لوگوں کے لیے اُن کی ہدایت کی خاطر نازل شدہ کلام بیان فرمادیں''۔

یہی نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اُمت میں سے افضل بھی اسی کو قرار دیا، جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

خیر کم من تعلم القران و علمه

''تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید سیکھتے اور سکھاتے ہیں''۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ انسان خیر پر رہے اور خیر اور شر کی تمیز کے لیے پیمانہ خداوند قدوس کا کلام قرآن حکیم ہے۔ اس لحاظ سے اس ''کتاب کائنات'' کا سیکھنا اور سمجھنا تمام انسانوں کے لیے ضروری ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری اس لحاظ سے زیادہ ہے کہ انہیں ''معلم انسانیت'' ہونے کا شرف حاصل ہے۔ انہی کی محنت کے نتیجہ میں انسانیت کے خزاں رسیدہ گلستان میں ایمان اور نیکی کی بہار آ سکتی ہے اور یہ سارا کام اسی صورت میں ممکن ہے کہ قرآن مجید کو پھیلانے کا کام قوت کے ساتھ کیا جائے۔ حالات کا تقاضا بھی یہی ہے اور انسانی دنیا کی ضرورت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں حقائق کا فہم اور تعارف بصورت قرآن مجید کرایا جائے۔ اس اہم مقصد کی خاطر ہمیں دو محاذوں پر کام کرنا ہے۔ ایک تو ان لوگوں کے لیے جن تک قرآن مجید کی دعوت مؤثر طریقے سے پہنچنے نہیں پائی اور دوسرے اپنے مسلمانوں بھائیوں کے اندر یہ کوشش کرنی ہے کہ ان کا ذوقِ قرآن فہمی بڑھے اور وہ اپنے آپ کو اس قابل بنا سکیں کہ ان کے دین کا نور ان کے دم قدم سے چار دانگ عالم میں پھیل جائے۔

و بید اللہ التوفیق

قرآن مجید کو پھیلانے کا کام علماء مشائخ اور حکومت بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔ اگر یہ فہم مضبوط ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس اہم ذمہ داری کے متعلق ضرور سوال کرے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(البقرہ:۱۵۹)

''یقین رکھیے کہ وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ روشن دلیلوں اور واضح ہدایات کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لئے انہیں خوب وضاحت سے کتاب میں بیان کر دیا ہے، ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت برستی رہتی ہے اور جو بھی لعنت کرنے والے ہیں وہ ان پر لعنت ہی کرتے رہتے ہیں''۔

ہمارے ہاں قرآن مجید کو قرآن اور کتاب اللہ کی حیثیت سے پھیلانے کا معاملہ نہایت سرد ہے۔ علماء و مشائخ فرقہ واریت کا شکار ہیں الا ماشاء اللہ اور حکومت کے ہاں اوّل تو اس قسم کا کوئی شعبہ ہے ہی نہیں جو دعوت الی اللہ اور ابلاغِ قرآن کے لیے کام کرے اور اگر کچھ ہے تو وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

بہر حال ایک سچے مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود قرآن مجید سیکھے اور دوسروں تک پہنچانے کی سعی کامل کر کے حضور ﷺ کی اس حدیث پاک پر عمل کرنے کا شرف حاصل کرے۔

بلغوا عنی ولو ایة

''میری طرف سے پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو''۔

رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث شریف جس سے ہم نے کلام شروع کیا تھا، اس کا اگلا حصہ یہ ہے:

وتدبروا مافیه لعلکم تفلحون

''اور اس میں تدبر کرو تا کہ تمہاری فلاح ہو''۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

(ص:۲۹)

''یہ عظیم الشان کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر نازل کیا بڑی برکتوں والی ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور اہل فکر ونظر اس کی یاد دہانیوں سے فائدہ اٹھائیں''۔

جہاں تک قرآن مجید میں غور وفکر اور تدبر کا تعلق ہے تو یہ علماء کا کام ہے اور علماء بھی ایسے جو علومِ عربیہ اور اصولِ لغات وغیرہ سے واقف ہوں، بصورتِ دیگر جہلا کی وہ آراء جو درحقیقت خواہشاتِ نفسانی اور حرکاتِ شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہیں، شامل ہو جانے کی وجہ سے قرآن مجید میں تحریف کے خدشات پیدا ہو جاتے ہیں۔

عوام کے لیے یہی مناسب اور اولیٰ ہے کہ وہ مستند اور متقی علماء کی تفاسیر کا مطالعہ اس انداز سے کریں کہ محاسبہ نفس ہو اور عوامی تدبر اور تعقل اسی نوعیت کا ہوتا ہے بلکہ خواص بھی قرآن مجید میں تدبر، تلاشِ معانی کے ساتھ ساتھ حصولِ محبت، جستجوئے حقیقت، معرفتِ صدق اور عبرت اور موعظت ہی کے لیے کریں۔

حضرت حسن بصری نے ایک رات ''ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها'' کے تکرار میں گزار دی۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس میں عبرت ہے۔

خود حضور ﷺ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ یہ آیت تلاوت کرتے کرتے صبح فرما دی اور آپ کا اس میں تدبر محبت ہی کے لیے تھا۔

آیت یہ ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

(المائدہ:۱۱۸)

''اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی بخشش فرمائے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے''۔

ہم یہاں اپنے دوستوں کو جہاں یہ مشورہ دینا پسند کریں گے کہ وہ روزانہ کم از کم قرآن مجید

کی ایک آیت ضرور اس طرح تلاوت کریں کہ اس کے معانی اور مطالب ان کے دل میں جاگزیں ہو جائیں اور وہ تقاضے اور احکام جو اس آیت میں منجانب اللہ ہوں، ان پر عمل حاصل ہو جائے۔ وہاں یہ بھی ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ قرآنی تعلیمات کے پرچار اور دعوت و تبلیغ کے وقت اجتہادانہ انداز سے گریز کریں اور اس بات پر کڑی نظر رکھیں کہ قرآن مجید ''قرآن مجید'' ہی کی صورت میں لوگوں تک پہنچے۔

ایک حدیث کا مضمون ہے کہ جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کچھ کہا، اگر ٹھیک بھی ہوا تو پھر بھی وہ خطا کار ہے۔

تدبر فی القران کے علاوہ تدبر للقران بھی کتاب اللہ کا ایک اہم تقاضا ہے یعنی یہ سوچنا کہ قرآن مجید کا نفاذ کیونکر ممکن ہے اور وہ کون سی تدابیر ہو سکتی ہیں جنہیں اگر اختیار کیا جائے تو اسلامی معاشرہ قرآنی رنگ لے سکتا ہے۔

یہ سارے ہی کام مقبول اسی صورت میں ہو سکتے ہیں کہ ان میں خلوص اور اخلاص شامل ہو اور وہ لوگ جو ''قرآن مجید'' کو پھیلانے کی تڑپ رکھتے ہیں، وہ بے لوث کام کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیث شریف کے آخری ٹکڑے میں یہی ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید پر جزا میں عجلت نہیں برتنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں چھوڑتا، وہ ضرور جزاء عنایت فرما دیتا ہے۔

مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اہل القرآن ہونے کے لیے	ایمان و ادب
زندگی کو سمجھنے کے لیے	تلاوتِ کتاب اور اس کی دعوت
حصولِ معرفت کے لیے	تدبر و تعقل
اور انقلاب کے لیے	اخلاص اور بے لوث جدوجہد کی ضرورت ہے۔

وما علینا الاالبلاغ المبین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جادۂ حق

تم بادشاہ ہو یا فقیر، پڑھے لکھے ہو یا ان پڑھ، سوچو اور دیکھو، دیکھنے اور سوچنے کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنا نفس ہی کافی ہے۔ نفس میں سوچنا اور غور و فکر کرنا اور کچھ دے نہ دے، ظاہر کرے نہ کرے، ایک حقیقت سے ضرور نقاب سرکا دے گا، تم کیا ہو اور کیسے ہو؟

آپ کیا ہیں اور کیسے؟ سوائے اللہ ربّ العزت کے اور کوئی نہیں جانتا۔ کسی شخص کا عالم ہونا، فاضل ہونا، حاکم ہونا، ادیب ہونا اور شاعر ہونا بہت لوگ جانتے ہیں لیکن کسے یہ خبر کہ راتیں کسی کی قیام و سجود میں گزرتی ہیں یاد او دہش میں، دن کسی کے خدمتِ مخلوق میں بسر ہوتے ہیں یا عیش و عشرت میں، ہر شخص خود جانتا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے؟

نیک ہے یا بد

خیر کا رسیا ہے یا شر کا متوالا

بندۂ خدا ہے یا بندۂ دنیا

نیکی کا چاہنے والا ہے یا برائی پر مر مٹنے والا

رضائے خدا چاہتا ہے یا خوشنودی حاکم

غلامِ رسول ہے یا طالبِ عہدہ

حق خواہ ہے یا خوشامد کا ڈھیرو

دنیا کی فکر رکھتا ہے یا آخرت کا خوف

اکلِ حلال کا کاسب ہے یا رزقِ حرام کا حیلہ گر

تلاوت کتاب کا عادی ہے یا نغمہ و نے کا عاشق

محنت کا خوگر ہے یا سستی کا مارو

نماز کا پابند ہے یا کھیل کا عادی

خدمتِ خلق کا جذبہ رکھتا ہے یا خدمتِ نفس کا عزم

سنت کا داعی ہے یا جھوٹی تہذیب وثقافت کا خادم

حق کا مجدد ہے یا عقل میں متجدد

سچائی کا محی ہے یا کذب کا مبلغ

مقصدِ حیات کا دلدادہ ہے یا شہرت کا قاصد

ہر شخص ہر فرد اور ہر نفس جانتا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے اور حقیقت میں ضرورت بھی اسی کی ہے کہ اپنی ذاتیں پہچانی جائیں۔ معرفتِ نفوس حاصل کی جائے۔ اپنے اپنے باطن پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے سرکالئے جائیں، اپنے اپنے کردار کو ٹٹولا جائے، اپنے افکار کریدے جائیں، اپنے نظریات اور اعتقادات کا جائزہ لیا جائے اور اس طرح اپنی کمزوریوں کو کمزوریاں اور گناہوں کو گناہ تسلیم کیا جائے۔ وہ وقت آنے سے پہلے کہ ڈھکا چھپا سب ظاہر ہو جائے۔ آدمی گنگ اور اعمال بول پڑیں۔ بے فکری کی خوش مزگیاں پشیمانی کی بدمزگیوں سے بدل جائیں۔ ماضی حال بن کر کیا ہوا سب کچھ کھول کر رکھ دے۔ رشتہ داریوں کے مزے، دوستیوں کے چسکے، مال گیری کی ہوس، زرکیشی کی حرص، وسعت پسندی کے جنوں، طاقتوں کے گھمنڈ، دنیا پرستی کے نشے اور جنس زدگی کے دورے آئینہ ہو کر سامنے آجائیں اور پھر پوچھا جائے کہ کیسے گزری وہ زندگی جس کا لمحہ لمحہ، گھڑی گھڑی اور لحظہ لحظہ امتحان تھا، آزمائش تھی اور ابتلا۔ کیسا حسرت انگیز ہوگا وہ وقت جب انسان حیرت اور تحیر میں ڈوب کر ماضی میں ہونے والے اعمال کو حال کی لوح پر دیکھ لے گا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

(الزلزال: بکمل)

''جب زمین ہلا کر رکھ دی جائے گی جیسا کہ ہلانا اس کے لئے مقرر ہے اور زمین اپنے بوجھوں کو باہر نکال پھینکے گی، اس حال میں انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا، اس دن زمین اپنی خبریں خود بیان کرنے لگے گی، کیوں کہ آپ کے ربّ نے اُس کے لئے یہ بات وحی کے ذریعہ بتادی ہے، اس دن لوگ مختلف حالتوں میں قبروں سے نکل پڑیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں پس جو شخص وزن میں ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کی اچھی جزا پائے گا اور جو وزن میں ذرہ بھر بھی برائی کرے گا تو وہ بھی اُسے دیکھ لے گا''۔

انسان بڑا عجب ہے اسے اپنے مال کی کثرت نظر آتی ہے، اپنی کائنات کی وسعت پر اس کی نگاہ اٹھتی ہے، اپنے اقتدار کے علو پر اس کا سرِ غرور اونچا ہوتا ہے اور اپنی تسخیری پہنائیوں پر طاقت اور قوت کا احساس اس کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ جوں جوں موجودات اپنا وجود سمیٹ کر انسان کے دامن میں ڈال رہی ہیں، اس کا پیٹ حرص اور ہوئی سے اتنا ہی وسیع ہو کر ''انا ولا غیری'' کے ڈنکے بجا رہا ہے، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر قوت کسی دوسری قوت کا نتیجہ ہوتی ہے اور ہر ذات کسی دوسری ذات پر دلالت کرتی ہے۔ انسان کائنات کی حقیقی قوت کا اگر سراغ لگا لے تو اس کا تفاخر جائز بھی ہے اور مناسب بھی، وگرنہ طاقت پر گھمنڈ رکھنے والوں کو اپنی مفلسی اور بے بسی کی تصویر بھی لینی چاہیے اور اس ناطے کسی ایسے دن کا انتظار رکھنا چاہیے، جب قادر اور قوی ذات اپنے جمال سے نقاب پلٹ دے گی اور ساری قوتیں، طاقتیں اور سلطنتیں پامال ہو جائیں گی اور انسان عاجزی کی تصویر بن کر اللہ ربّ العزت کے سامنے کھڑا ہو گا۔

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(المطففین: ۴ تا ۶)

کیا انہیں خیال نہیں گزرتا کہ انہیں قبروں سے جی کر اٹھنا ہے، بڑے دن کے لیے
وہ دن جب لوگ تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے''۔

جو کچھ ہونا ہوتا ہے سو وہ ہو ہی جاتا ہے کسی کے چاہنے یا نہ چاہنے کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ سورج کو چمکنا ہوتا ہے سو وہ چمک جاتا ہے۔ دنوں کو بڑھنا ہوتا ہے سو وہ بڑھ جاتے ہیں، راتوں کو چھانا ہوتا ہے سو وہ چھا جاتی ہیں۔

زمان و مکان کی فطری حرکات کو کوئی بدل تھوڑا ہی سکتا ہے۔ انسان چاہے بھی تو رات دن نہیں ہو سکتی اور دن رات نہیں ہو سکتا۔ بے بسی اتنی کہ چاہتے ہوئے بھی کوئی شخص موت کا وقت نہیں ٹال سکتا۔ اس عالمِ رنگ و بو میں جب ہر کام موقع اور محل کے لحاظ سے قانونِ فطرت کے مطابق طے پا رہا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے، مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، کسی کے نہ ماننے سے قانونِ الٰہی کے چلتے دھارے رُک تھوڑے ہی جاتے ہیں، جو ہونا ہوتا ہے سو وہ ہو جاتا ہے۔ موت آنی ہے سو وہ آئے گی اور قیامت واقع ہونی ہے سو وہ واقع ہو کر رہے گی۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ (الشوریٰ: ۴۷)

''اپنے ربّ کا حکم مان لو قبل اس کے کہ وہ دن آ پہنچے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے، اس دن نہ تو تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ ہی کوئی بچانے والا ہوگا''۔

راہیں مختصر بھی ہوں سفر کی صعوبتیں ناگزیر ہوتی ہیں۔ منزلیں قریب بھی ہوں تو تیاری اور زادِ راہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ دنیا منزل نہیں منزل کی طرف بڑھنے والی ایک راہ ہے۔

راستوں ہی سے چمٹ جانے والے لوگ منزل مراد تک نہیں پہنچا کرتے، منزل ان تابندہ بخت لوگوں کا جھک کر استقبال کیا کرتی ہے جنہیں منزل پر پہنچنے کی فکر ہوتی ہے اور ان کے حوصلے جوان ہوتے ہیں۔ انسان اس دنیا کا باسی نہیں بلکہ اس راہ کا مسافر ہے اور یاد رہے کہ منزلِ حق

تک پہنچنے والی یہ شاہراہ خطرات سے محفوظ و مامون نہیں بلکہ قدم قدم پر کانٹے بچھے ہوتے ہیں، لحظہ لحظہ مشکلات کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ گام گام دشمن گھات لگائے ہوئے ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان ان نازک احوال کے ہلاکت آفرین تھپیڑوں کے سامنے سنبھلے، سنبھل کر سوچے اور سوچ کر قدم بڑھائے اور ہر گاہ یہ خیال رکھے کہ سفر پس فکری اور کج روی کا شکار نہ ہو بلکہ پیش قدمی ہی کے مراحل طے ہوتے رہیں۔

رضائے خدا کی اس امن خیز اور مسرت افزاء منزل کی طرف انسان کو چاہیے کہ سست روی کی بجائے تیز گامی کا مظاہرہ کرے۔ سوچے تو جلدی، بڑھے تو سرعت کے ساتھ، لوٹے تو یکسو ہو کر، آئے تو ٹوٹ کر، اپنا بنے تو دوڑ کر اور اپنا بنائے تو بھاگ کر، فاصلے اور دوریاں ختم کرنے کی یہی ایک تدبیر ہے۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الذاریات: ۵۰)

''پس دوڑ کر جاؤ اللہ کی طرف بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلا ڈرانے والا ہوں''۔

اس دنیا میں لوگ فریب کا شکار ہیں اور فریب بہت بُری چیز ہے۔ دھوکہ دیا جائے یا کھایا جائے، ہر دو صورتوں میں ذلت آسا ہوتا ہے۔ رشوت خوری کے حیلے، کذب بیانی کے وتیرے، مکر آفرینی کے چکر، زائد از ضرورت چالاکیوں کے مظاہرے، خود پسندی کی اداکاریاں، شہرت خواہی کے وعظ، عزت چاہی کی تحریریں، دولت سازی کے سفر، ووٹ آفرینی کی بیمار پرسیاں، سیاسی داؤ کے جنازے، مادیت سرائی کی ہمدردیاں، مال گیری کی مسکراہٹیں، نفس خوردگی کے دُروس، خواہش گزیدگی کی تعلیم، جنس آہنگی کی شب بیداریاں، عیش کوشیوں کی منصوبہ بندیاں اور لذت رانیوں کا ادب سب مکر اور فریب ہے۔ اس زمین کی چھاتی پر تھوڑے ہی انسان ایسے بستے ہیں جن کی سوچ سادہ ہوتی ہے جن کا مذہب سادہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ نہ دھوکہ دیتے ہیں اور نہ دھوکہ کھاتے ہیں، نہ فریبی ہوتے ہیں اور نہ فریب کاری انہیں پسند ہوتی ہے۔ ان پاک نفس

لوگوں کے سوا جدھر دیکھو اس فریب فریب دنیا میں فریب ہی کا کاروبار چل رہا ہے۔ اپنوں سے فریب، بیگانوں سے فریب، خدا سے دھوکہ اور اپنی ذات سے فریب، جدھر دیکھو سفید پوش مجرموں اور بالبادہ معززین، فریبیوں کے جال بچھے نظر آ رہے ہیں۔ دیکھو تو میٹھے اور شیریں، چکھو تو کڑوے اور تلخ، دور ہوں تو نور لگیں، قریب آئیں تو راتیں بھاگنے لگیں۔ جب انہیں کچھ ملنے کی توقع ہو تو بچھ بچھ جائیں اور جب کچھ دینا پڑ جائے تو کوہ قاف کی طرف دامن سمیٹ لیں۔ خود پسندوں کی یہ دنیا وہ جنگل ہے جس میں خودرو اور کانٹے دار جھاڑیوں کے سوا اور کچھ نہیں اُگتا۔ اس دیس کے رہنے والے تہی دامنی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور خالی دامن ہی اس دنیا سے اٹھ جاتے ہیں، یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں قیامت کے دن حسرت ہوگی کہ اے کاش انہیں دنیا میں لوٹا دیا جاتا اور یہ عمل صالح بجالا سکتے اور پکی مومنانہ روش اختیار کرتے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ۱۰۲)

"پس اگر ہمیں دوبارہ لوٹنا ہو تو ہم ایمان والوں سے ہو جائیں"۔

عمل کی فرصت اس دنیا ہی میں ہے۔ یہاں انسان آزاد ہے، ارادے میں اور عمل میں، لیکن اس کی آزادی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دنیا اندھیر نگری اور چوپٹ راج سمجھ لی جائے اور یہ باور کر لیا جائے کہ اعمال پر باز پرس نہیں ہوگی۔ یہ تو وقت وقت کی بات ہوتی ہے کہ راتوں کے بعد دن آتے ہیں اور خوشیوں کے بعد غم۔ انسان کبھی جوان ہوتا ہے اور کبھی بوڑھا۔ یہ انقلاباتِ زمانہ اور یہ حوادث بذاتِ خود اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دنیا لہو و لعب ہے، کھیل تماشہ ہے، سراب ہے اور بے حقیقت۔ وہ لوگ جو دنیا ہی کو معراجِ زندگی تصور کر لیتے ہیں اور پنجے جھاڑ کر اسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں، وہ پا در ہوا چلنے کی کوشش کرتے ہیں، جو مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ انسانوں کی یہ محبوب دُنیا اس کے سوا ہے بھی کیا۔ غور سے دیکھو اور پھر سوچو اور سوچ کر فیصلہ کرو۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (العنکبوت:64)

''اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر محض کھیل کود اور بے شک آخرت کا گھر ہی زندگی کا اصل مسکن ہے کیا اچھا تھا اگر یہ جانتے''۔

غلطی غلطی ہی ہوتی ہے لیکن غلطی کو غلطی کو نہ سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے۔ معصوم صرف انبیاء ہی ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کمزوریاں اور لغزشیں ہر انسان سے ممکن ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ اپنی لغزشوں کا ازالہ حسنات کے ساتھ کر لیتے ہیں لیکن بعض کے ہاں یہ انڈے اور بچے دیتی رہتی ہیں۔ انسان پہلے گناہ کرتا ہے اور پھر گناہوں کو نیکیاں تصور کرتا ہے اور پھر یہی ظنی نیکیاں انسان کو اس گمان میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ تو نیک ہے تو ولی ہے تو پاکباز ہے، تو عالم ہے، تو فاضل ہے، تو مرشد ہے، تو یہ ہے اور وہ ہے اور پھر یہ ہے کہ ''ہمچو تو دیگرے نیست'' جبکہ انسانی عظمت کا راز اس میں ہے کہ گناہ ندامت کا کانٹا بن کر دل میں کھٹکے اور پشیمانی کے آنسو ہو کر آنکھ سے باہر آئے۔

صاحبو!

ہم سب کی حالتیں پتلی ہیں۔ عمامے جھاڑو تو گناہوں کی دھول نکلے گی۔ قبائیں نچوڑو تو خود پسندی کی میل برآمد ہو گی۔ دامن کھولو تو لغزشوں کا غبار نکلے گا۔ نفس نفس لٹا ہوا ہے۔ فرد فرد ڈسا ہوا ہے، ذہن ذہن فالج زدہ ہے اور دل دل غفلت گزیدہ ہے۔ دعوے بہت ہیں لیکن عمل میسر نہیں، ظاہر آراستہ ہیں اور باطن کرم خوردہ۔ جب دامنِ عمل پر ہر سُو داغ دھبے نظر آتے ہوں تو بساطِ زندگی پر افق تا افق مایوسیاں چھا جاتی ہیں۔ دل ڈولنے لگ جاتا ہے اور وسواس کے ہجوم انسان کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ خیر اور شر کے دوراہے پر بدی کی طرف بڑھو تو وہ کاٹتی ہے، نیکی کی طرف بڑھو تو وہ گزشتہ اعمال کے بارے میں سوال کرتی ہے۔ انسان جب حیرت کی وادیوں میں گم سم ہو جاتا ہے تو فطرت کی صدائے نازِ اطمینان کا نور اور رحمت کا پیغام بن کر تصادمِ اعمال کی دلدل میں پھنسے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کرتی ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ (الزمر: ۵۳)

''فرمادیں اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اُوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ سارے گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

پانی میل صاف کر دیتا ہے اور توبہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ نیکی پر اترانے والے زاہد سے گناہوں پر اشکِ ندامت بہانے والا عاصی بہتر ہوتا ہے۔ عمل کی مٹی بدعملی کے زعفران سے بہتر ہوتی ہے۔ تکبر اور ریاکاری بھرے اعمال کی کثرت سے اخلاص بھرے افعال کی قلت نفع مند ہوتی ہے۔ گناہوں کی غفلتوں میں اندھیر اندھیر خلوتوں سے بے ضرر جلوتیں اچھی ہوا کرتی ہیں۔ حصولِ شہرت اور لغزشوں کے گرداگرد گھومنے والی انجمنوں سے بہتر راہب بن جانا ہوا کرتا ہے۔ اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو خوفِ خدا کے آئینے میں اپنے اعمال کی حقیقت جاننے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جامِ جم میں کائنات دیکھنا افسانہ ہے لیکن دل کے پردہ پر اپنے کئے ہوئے کی تصویر دیکھ لینا حقیقت ہے۔ دراصل انسان کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو اپنی ذات اور حقیقت کی پہچان حاصل کر لیتا ہے۔ عرفانِ ذات ہی سے عرفانِ رب کی گرہیں کھلتی ہیں۔ یہی وہ بلند مقام ہے جہاں عالم کو اپنے علم کے باریک نکتوں میں، دانشور عابد کو اپنے شوق پرور سجدوں میں، دانش کو فہم و فراست کی لطافت میں اور مفکر کو اپنے فکر کی وسعتوں میں اپنی لغزشوں کی سیاہی نظر آنے لگتی ہے۔ اسے اپنی کمزوریوں کا مکمل احساس ہو جاتا ہے۔ اس کی امیدیں غیر اللہ سے کٹ جاتی ہیں اور وہ تکمیل شخصیت کے لیے اللہ ربّ العزت کے سامنے دست بستہ گناہوں کی معافی کا سوال کرتا ہے۔

غور و فکر کے اس مقدس سفر کا نام توبہ ہے جس طرح درخت کی غیر ضروری شاخوں کے کاٹنے سے اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ توبہ بھی اعلیٰ اقدار کے فروغ میں ممد ثابت ہوتی ہے۔ توبہ کے عمل کے بغیر شخصیتیں جوہڑ کی مانند ہوتی ہیں۔ انابت الی اللہ اور توبہ ہماری قومی اور ملی ضرورت

ہے۔ ہمارے معاشرے کا ہر فرد کسی نہ کسی حد تک جادۂ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ مجھے ایک دیہاتی کا مقولہ کبھی نہ بھولے گا جس نے کہا تھا کہ نظام مصطفےٰ اگر کاملاً نافذ ہو جائے تو ہماری قوم کا ہر فرد دس دس کوڑوں کا سزاوار ہے۔

کمزوریوں کو کمزوریاں اور گناہوں کو گناہ کہہ بھی لیا جائے تو بھی یہ مسائل کا حل نہیں۔ زبان پر استغفار کا وظیفہ جاری بھی ہو جائے تو اس سے ازالہ تھوڑا ہی ممکن ہو جاتا ہے۔ یہ تو یہی صورت بنتی ہے جیسے کوئی شخص کسی غریب مظلوم اور ستم رسیدہ شخص کے منہ پر تھپڑ بھی رسید کرتا جائے اور ساتھ ہی معاف کیجئے بھی الاپتا رہے۔ توبہ دراصل جادۂ حق اور صراطِ مستقیم کے اس نقطہ پر واپس آ جانے کا نام ہے جہاں سے کوئی شخص پھسل کر دُور ہو گیا ہو۔ ضرورت ہے کہ سب انسان مل کر اس نشانِ راہ کو تلاش کریں جہاں سے فلاح و صلاح اور نور و سرور کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور:۳۱)

''اور اے مومنو! سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار اپنی اونٹنی جدعا پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے موت ہمارے مقدر میں نہ ہو اور ہمارے اوپر جیسے کوئی حق واجب نہ ہو جن مُردوں کو ہم لے کر جاتے ہیں جیسے انہیں جلد واپس آ جانا ہو، ہم ان کے جسم چھپا دیتے ہیں اور ان کی میراث تقسیم کر لیتے ہیں، گویا ہمیں ان کے بعد ہمیشہ زندہ رہنا ہو۔ ہم ہر نصیحت فراموش کر چکے ہیں، جیسے ہم نے اپنے آپ کو ہر مصیبت سے محفوظ کر لیا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو اپنے عیبوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دوسروں کے عیوب سے غافل ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

''ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنا زادِ راہ خود تیار کرے اور دنیا میں عقبیٰ کی تیاری کرے اور زندگی میں آخرت کی تیاری کرے''۔

''لوگو! دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ مرنے کے بعد کوئی مہلت نہیں ہے اور دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد جنت ہے یا پھر جہنم''۔

صاحبو!

وقت کا پہیہ تیزی اور سرعت کے ساتھ گھوم رہا ہے۔ تاریخ آگے بڑھ رہی ہے۔ زیست برف کی طرح پگھلتی جا رہی ہے اور انسانیت حالات کی ٹھٹھرتی خموشیوں میں پریشان کھڑی ہے۔ ہر گریبان اور ہر دامن بدعملیوں کی آگ میں جل رہا ہے۔ معاشرہ چوطرفہ بداعتمادی کے منحوس دھوئیں میں گھرا ہوا ہے جس طرف دیکھو یاس اور ناامیدی کی اداس شامیں انسان کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ مادیت کا طوفان ہے کہ چرچ خاموش ہے۔ ناقوس زمستاں کی برفیلی سیٹیاں بن گئے ہیں اور اذانیں بے اثر ہوتی جا رہی ہیں، اب کہ بندۂ خدا تیرے لیے تیرے خدا کے سوا کوئی نہیں، اس کے ساتھ لو لگا، اسی کے ساتھ دوستی رکھ وہ خالق بھی ہے اور محبت نواز آقا بھی۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹانے والا کبھی خالی نہیں لوٹتا۔ اس کا درِ رحمت نواز ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ کوئی آئے اس کی طرف کوئی بڑھے اس کی طرف، کوئی لپکے اس کی طرف، جھک جھک کر محبتیں لیے اور مٹ مٹ کر سجدے لئے، بندہ نواز آقا پکار رہا ہے اور بلا رہا ہے۔

بندہ پرور آقا!

تیرے بے کس بندے دامنِ آرزو پھیلائے تیری چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہیں، کرم ہے جو تو اپنا بنا لے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راہِ حق

ایک شور اٹھ رہا ہے

ایک ہنگامہ بپا ہے

ایک تڑپ سینوں میں مچل رہی ہے

ایک آرزو دلوں میں چٹکیاں لے رہی ہے اور

ایک انقلاب بداماں خواہش فطرت کا یہ درس دہرا رہی ہے کہ

الارض للہ

''زمین اللہ ہی کے لیے ہے''۔

زمین اللہ کی ہے، دھرتی خدا کی ہے، زمانہ اسی کا نام ہے۔ زندگی کی یہ چہل پہل اور سب رونقیں اسی کی عطا ہیں۔ وہ اپنی زمین اور اپنے جہان میں ایک ہی قانون کی فرماں روائی دیکھنا چاہتا ہے، جیسے اس کی ذات وصفات میں اس کی کوئی شریک ومثیل اور عدیل ونظیر نہیں، اس کا قانون بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

''بے شک اصل دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے''۔

گھر میرا ہو اور حکم کسی کا چلے، قابل برداشت نہیں۔ باغ میرا ہو پھول کوئی توڑے گوارا نہیں۔ زمین خدا کی ہو، حکم ابلیس کا چلے، بات طاغوت کی مانی جائے، فسق ہے، ظلم ہے، فساد ہے، زیادتی ہے اور کفر ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (المائدہ:۴۴)

''اور جو فیصلہ نہ کرے اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق تو وہی لوگ کافر ہیں''۔

گھر خدا کا ہو قانون نفس کا، مرضی کا اور رسم ورواج کا، ہرگز قبول نہیں۔ زندگی اس دنیا کے محور پر جب بھی اپنی گردش مکمل کرے گی، ایک اور جہاں ہوگا، ایک نیا ماحول ہوگا اور اَن دیکھے مناظر اور وہ لوگ جو اللہ کے قانون کے سامنے نفس آرائیاں اور فرماں آرائیاں کرتے ہیں، خاسر ہوں گے اور ٹوٹے میں ہوں گے اور ان کے اٹکل پچو کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہوں گے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران:۸۵)

''اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کیا تو ہرگز وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا''۔

گھر ایک ہو حکم دو چلیں تباہی یقینی اور فساد ابدی ہوگا۔ زمین ایک حکم بے شمار، گیتی واحد خواہشیں اَن گنت، مالک ایک اور مرضیاں لامحدود، نکبت ہے، ذلت ہے، بربادی ہے، رسوائی ہے اور دردناک اور نہ ختم ہونے والا عذاب۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔

قانون انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اسے کوئی ذہن اور ذکی قوت ہی تخلیق کر سکتی ہے۔ اس کے مزعومہ اور احسن نتائج کوئی علیم اور خبیر ذات ہی جان سکتی ہے۔ اس کا سقم اور صحت جاننے کے لیے بیش بہا فراست اور حکمت درکار ہوتی ہے۔ انسان عظیم سہی، ذہین سہی لیکن بھول چوک، نسیان، ضعف، بیماری اور جانب داری ایسی بشری کمزوریاں بھی اس کا جنسی لازمہ ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان کی ذہنی تخلیق کو اٹل اور قطعی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اٹل اور قطعی ضابطہ اور قانون کسی علیم وخبیر اور حکیم ذات ہی کا ہو سکتا ہے، ایسی ذات جو بھول چوک سے پاک، عیبوں سے منزہ، عدوان سے بری اور علم وحکمت کا مرجع اور مصدر ہو اور ظاہر ہے، ایسا حکیمانہ اور پاک نظام خداوند قدوس ہی کی

طرف سے ہوسکتا ہے اور اسی کے نظام کو اٹل اور مبنی بر واقعیت قرار دیا جاسکتا ہے۔

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝

(ہود:۱)

''الف لام را۔ اس کتاب کی آیات انتہائی پختگی کی حامل کر دی گئی ہیں پھر حکیم و خبیر کی طرف سے انہیں واضح کر دیا گیا ہے''۔

کہتے ہیں پانی کھڑا رہے تو وہ بھی گندا ہو جاتا ہے۔ تغیر و تبدل نعمت ہے۔ حرکت میں برکت ہے، سفر وسیلہ ظفر ہے اور انقلاب ایک مبارک عمل کا نام ہے۔ ہر لحظہ اور ہر آن خوب سے خوب تر کی جستجو رکھنا عبادت ہے۔ رُک جانا، ٹھہر جانا اور اڑ جانا ممکن ہے اور نہ ہی پسندیدہ۔ زندگی بذاتِ خود بھی تو سیال ہے، متحرک ہے، رواں دواں ہے اور ہر دم جواں ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ حرکت حالتِ سکون سے نکلنے کا نام ہے۔ درستی غلطی کی ہوتی ہے اور صحت سقم کی۔ صحیح کو صحیح کرنے کی کوشش عبث اور تحصیل حاصل ہوتی ہے۔ تغیر و تبدل یا تو نسیان زدہ امور کا بدل تلاش کرنا ہے یا پھر کسی اعلیٰ اور اولی الامر کے حصول کے لیے ایک تڑپ اور آرزو کا نام ہے، یہ نہ ہوں تو حرکتیں بھی الحادِ نظر اور فسادِ عمل کے سوا کچھ نہیں۔

''قانونِ خدا مکمل ہے'' اکمل ہے، خوبی ہے، جمال ہے، حسن ہے، کمال ہے۔ جب بنانے والا بھول چوک اور نسیان سے منزہ ہے اور علم و حکمت اسی کی پاک صفات ہیں اور یہ بھی کہ سارے انسانوں کی عقلیں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں تو دریں حالے انسانی رہنمائی کے لیے جو کچھ اس نے بنایا لا ریب وہی جادۂ حق ہے، وہی صراطِ مستقیم ہے اور وہی شاہراہِ حق اور مرورِ حیات کا اصلی حقیقی منفرد قانون اور وہی نور و سرور کی ضمانت اور تاریکیوں میں روشنیوں کا پیغام ہے۔ ایسا قانون جس میں نہ تو تبدیلی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس میں تغیر و تبدل کی کوئی ادنیٰ گنجائش ہے۔ نہ یہ نفسانی خواہشات کے حاشیے برداشت کرتا ہے اور نہ ہی زمانہ زدہ اجتہادات کی اجازت دیتا ہے۔ ضابطہء حق قرآنِ حکیم میں تبدیلی فسق ہے اور کفر، اگر کوئی شخص من چاہے

فیصلوں یا ارادوں سے اس نور نور قرآن کو تاریکیوں سے بدلنا چاہے تو ایسا عمل بدعت اور حماقت کے سوا کچھ نہیں، البتہ ایسے قانون کی روشنی میں انقلابِ فکر وعمل کی راہیں استوار کرنا انسانی ضرورت ہے اور انسانی ضرورتیں بہر طور پوری ہونی ہی چاہئیں۔

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ (یونس: ۶۴)

''اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی''۔

قانونِ خدا کیا ہے؟ اسے کہاں تلاش کیا جائے؟ قرطاس یا کاغذ میں یا سیرت وعمل میں، بے جان حروف وکلمات میں یا جاندار، زندہ، متحرک اور فرحت افزا کردار سے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قانون خدا کی یہ عظمت ہوتی ہے کہ وہ صرف صحیفوں، کاغذوں اور کتابوں ہی میں محفوظ نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ایسے فعال کردار بھی مبعوث کئے جاتے ہیں جو اپنی تنک تابیوں، حق نوازیوں اور رحمت عطائیوں سے الہامی قوانین کے موعودہ نتائج اور ثمرات پیدا کر کے اپنے آسمانی منشور کی صداقت پر شہادت بالعدل مہیا کرتے ہیں، یہی وہ راز ہے جسے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں منکشف کیا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کا خلق قرآن ہی تو تھا۔ دوسرے لفظوں میں سیدہ یہ فرما رہی تھیں کہ اسلامی قانون کی حقیقت کو حضور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کے بغیر حاصل کر لینا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ خدا کا وہ قانون جس سے انسانیت فلاح وصلاح کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے اور جہالت کے بوجھ سے آدمیت کی ٹوٹتی جھکتی کمریں سیدھی ہو سکتی ہیں، صرف اور صرف محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی سے ممکن ہے، گویا قوانین وضوابط کی صحت وسقم دیکھنے کا واحد پیمانہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ وہ قانون جو حضور ﷺ کی سیرت کا اور فعل وعمل کا رنگ لے کر انسانوں کو اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔ حیاتِ انسانی کے کسی زاویے، کسی موقعے اور کسی مرحلے پر ناکام نہیں ہوتا۔ جزئیات اور تفصیلات کے اعتبار سے یہ پیغمبرانہ قانون ہی کی عظمت اور وسعت ہے کہ یہاں چھینک اور ڈکار، وضو اور طہارت، پیشاب اور پاخانہ اور بیداری اور نیند، ایسے معاملات میں بھی رہنمائی کی جاتی

ہے۔ یہاں یہ بات خوب سمجھ لی جائے کہ اسلامی قانون میں مرکز ومحور کی حیثیت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات کو حاصل ہے۔ فسادِ احوال کے پیش نظر کیا بہتر ہو کہ اسلامی قانون کو نفسانی گرہ گیریوں سے بچانے کے لیے نظامِ مصطفٰے کی اصطلاح سے تعبیر کیا جائے۔ ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس کا تحفظ بھی اسی میں ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہر اعتبار سے حضور ﷺ کے حوالے کر دے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (النساء:٦٥)

''سو قسم تیرے پروردگار کی وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں میں حاکم نہیں مان لیتے پھر یہ کہ وہ اپنے دلوں میں کوئی بے چینی بھی نہ محسوس کریں اس پر جو آپ فیصلہ دیں اور بخوشی وہ اسے تسلیم کر لیں''۔

اس وقت دنیا بھر کے انسانوں کو خود ساختہ قوانین اور ہلاکت آفریں تہذیب وتمدن نے بُری طرح گھیر رکھا ہے۔ چار سو جہالت کی آندھیاں کرۂ عالم کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔ افراد فرد کی سطح پر اور جماعتیں جماعت کی سطح پر طاغوتی قوانین کے ہاتھوں کٹ رہی ہیں۔

صاحبو!

طاغوت طاغوت ہی ہوتا ہے خواہ اس کا نام سوشلزم رکھ دیا جائے یا اس کے گلے میں جمہوریت کا تعویذ کیوں نہ ڈال دیا جائے۔ بد بو بد بو ہوتی ہے اور خوشبو خوشبو، شہد شہد ہوتا ہے اور زہر زہر، آسمان کا نام زمین رکھ دیا جائے تو وہ زمین نہیں بن جاتا اور زمین کو آسمان کہہ دیا جائے تو اس کی پستی بلندی میں نہیں بدل جاتی۔ اسلام صرف اسلام ہے اسے کسی پیوند، کسی گرہ کسی بندھن کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اسلام کا تعارف صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اسلام ہے۔ دنیا جھوٹے، فریب زدہ اور فریب آفریدہ قوانین سے اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جس طرح کاغذی

پھولوں میں خوشبو نہیں پیدا کی جاسکتی، افسانوں میں حقیقت کا رنگ نہیں بھرا جاسکتا۔ نفس آفریدہ قانون سے وہ نتائج نہیں پیدا کیے جاسکتے جو نظامِ مصطفےٰ کی عنایت ہوتے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (الفاطر: ١٩ تا ٢٢)

''اور اندھا اور دیکھنے والا کبھی برابر نہیں ہو سکتے اور نہ اندھیرے اور روشنی یکساں ہو سکتے ہیں، سایہ اور تیز دھوپ میں بھی کوئی مساوات نہیں اور برابر نہیں زندہ اور مردہ''۔

زہر کھانا ہلاکت ہے لیکن قانون شکنی اس سے بھی بڑی ہلاکت ہے۔ چوک میں نصب سگنل کی پابندی نہ کی جائے تو حادثہ یقینی ہوتا ہے یا کسی شاہراہ پر دائیں یا بائیں چلنے کا التزام نہ برتا جائے تو تباہی لابدی ہو جاتی ہے۔ قانون کی تنفیذی قوت جتنی مضبوط اور مؤثر ہوتی ہے قانون شکنی کی سزا اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔ نظامِ مصطفےٰ چونکہ ربّ العالمین کا قانون ہے، جو انسان اس کے سامنے سرِ اطاعت نہیں جھکاتے یا قبولیت کے بعد اس سے اعراض کر لیتے ہیں، دنیا میں خاسر اور ذلیل ہوتے ہیں اور عاقبت بھی ان کی خراب ہوتی ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ (طٰہٰ: ١٢٤)

''اور جس نے میرے قرآن سے اعراض برتا تو بے شک اُس کی معیشت تنگ ہو گی اور ہم بروزِ قیامت اسے اندھا اٹھائیں گے''۔

قانون مذاق نہیں آزمائش ہوتا ہے، لہو ولعب نہیں عبرت ہوتا ہے، کھیل نہیں اہتمام فلاح ہوتا ہے۔ وہ قومیں جو اپنے قانون سے مذاق کرتی ہیں ان کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہوتی۔ اسلام، دین حق اور نظامِ مصطفےٰ جو بقائے انسانیت اور فلاح کائنات کا اکلوتا دستور ہے۔ اگر سر سریت کی نظر کر دیا جائے اور مسلم قوم بھی اپنے صدیوں پر حاوی سنجیدہ قانون سے مذاق کرنے لگ جائے اور ترکِ حقیقت کر کے دنیاوی بھول بھلیوں میں مبتلا ہو جائے تو بحر جہالت میں غرق ہونے والی

انسانیت کا سہارا کون بنے گا، پھسلتے گرتے انسانوں کا ہاتھ کون پکڑے گا اور راہِ ہدایت کے انجان مسافروں کے لیے منزل کی نشاندہی کون کرے گا۔

صاحبو!

بچوں کے کھیلنے کے لیے بنائے گئے جہازوں سے فضا میں اُڑنے کا کام نہیں لیا جا سکتا، مٹی کے بنے ہوئے آم حقیقی آموں کی لذت نہیں پیدا کر سکتے، شیر کی کھال میں چھپے ہوئے گدھے زیادہ دیر تک اپنا روپ قائم نہیں رکھ سکتے۔ چینی چینی اور شکر شکر کا وظیفہ پڑھنے سے زبان مٹھاس سے لذت مند نہیں ہوتی، جب تک کہ حقیقتاً زبان پر شکر نہ رکھی جائے۔ اسلام اسلام کر کے آمریت قائم کرنا، دین دین کر کے جھوٹی جمہوریت گلے سے لگانا، حق حق کی رٹ لگا کر سوشلزم کا دم بھرنا، سچ سچ کے نعرے الاپ کر سرمایہ داریت کو قوت دینا اور اطاعت امیر کی آڑ میں بادشاہت کی طرح ڈالنا اسلام نہیں، اسلام سے مذاق ہے اور وہ لوگ جو دین کو کھیل تماشا سمجھیں وہ کسی بھی صورت میں لائق اتباع نہیں ہوتے، لائق تقلید ہونا تو دُور کی بات ہے، وہ کسی سرسری دوستی اور محبت کے قابل بھی نہیں ہوتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ (المائدہ: ۵۷)

''اے ایمان والو! وہ لوگ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں اور کافروں میں سے جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں انہیں دوست مت بناؤ اور ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو''۔

اللہ ربّ العالمین کا قانون ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ دنیا کے وسیع و عریض کارگہ میں ہم اس کے قانون پر عمل کریں اور اگر بالفرض وہ نافذ العمل نہیں تو اس کی تنفیذ کے لیے عملی طور پر کوشاں ہوں۔ اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آج انسانیت کی ایک فکر نہیں متعدد افکار کی بھینٹ چڑھی ہوئی ہے۔ آج کا انسان جادہ واحد پر نہیں بلکہ پیچ در پیچ نظریاتی گزرگاہوں میں اُلجھا ہوا

ہے۔ ہمارے زمانے کی اقوام وملل خود آفریدہ نظریات کے گھنے جنگل میں گم ہو کر رہ گئی ہیں۔ الحادی قوانین اور فسادی دھندوں نے انسانی ہاتھوں کو اتنا ضعیف ونزار بنا دیا ہے کہ زندگی کی قابل حصول مسرتوں پر بھی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ دنیا جنت تو نہیں بن سکتی لیکن خدا کا دیا ہوا قانون اسے جنت اور فردوس بداماں تو ضرور کر سکتا ہے، لیکن یہ پر کشش منزل حاصل کرنے کے لیے سومنات فتح کرنے ہوں گے، بت کدے توڑنے کی ضرورت محسوس ہوگی، صنم گاہوں کو ویران کرنے کا اہتمام کرنا ہوگا اور قلب وجگر اور ذہن وفکر کے معصیت زدہ کلب مقفل کرنے پڑیں گے، مغرب ومشرق کے طوق گلے سے اُتار پھینکنے ہوں گے اور جہالت کی بھاری اور بوجھل بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پاؤں کو حریت آشنا کرنے کے لیے ایک مسلسل جہاد اور مؤثر تگ وتاز شروع کرنی ہوگی اور خوب یاد رہے کہ اس راہ میں شیطان ہم سے روٹھے گا، ابلیسی قوانین کے علمبردار حاکم ہم سے ناراض ہوں گے، ابن الوقت رشتہ دار قطع تعلق کی دھمکیاں دیں گے، مادے کی چمک دمک پر قائم ہونے والی دوستیاں اور رفاقتیں ٹوٹیں گی، پیٹ پوجا کرنے والے مذہبی گروہ کفر وحماقت کے فتوے دیں گے، معاش اور اقتصاد کے گرد اگرد پھرنے والا ادب جنونی اور جذباتی ہونے کا طعنہ دے گا، تعقل پرستی کی چوڑیاں پہننے والے بوڑھے مصلحت بازی کا درس دیں گے، جنسیت زدہ نوجوان نفاذِ حق کی تحریک کو مولویت سے تعبیر کریں گے اور کوئی بعید نہیں کہ اس رحمت نواز تگ وتاز میں پھولوں کی بجائے کانٹوں پر چلنا پڑے، ہاروں کی بجائے پھانسی کے پھندے گلے میں ڈالنے پڑیں، لیکن اس ذات کی قسم یہ زندگانی فانی ہے اور آنے والا جہان باقی ہے۔ عقل مند لوگ خدا آشنائی کے مزے لوٹنے کے لیے مصیبت اور الم سے اَٹی ہوئی بساطِ حیات کو حریر وپرنیاں سمجھتے ہوئے منزل کی طرف رواں دواں رہیں گے، اس لیے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اور وہ سب کچھ اپنے محسن آقا کی راہ میں لوٹانا سعادت تصور کریں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ

الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ (التوبہ:۱۱۱)

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں ان کے لیے بدلے میں جنت ہے، اللہ کی راہ میں لڑیں تو قتل کریں اور شہید ہوں اس کا وعدہ سچا ہے تورات، انجیل اور قرآن میں، اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے، تو اپنے سودے پر جو تم نے کیا ہے خوب خوش ہو اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے“۔

صاحبو!

آؤ بغاوت کریں شیطان کے خلاف، نفس کے خلاف، جھوٹے قوانین کے خلاف، دنیا زدہ خواہشات کے خلاف، خدا دشمن حکمرانوں کے خلاف، بدرنگ تہذیب وتمدن کے خلاف، بدعت آمیز ثقافت وحضارت کے خلاف اور ہر اس قوت کے خلاف جو خدا کے نظامِ عدل کو پامال کر رہی ہے۔ ہر اُس جذبہ کے خلاف جو نظامِ مصطفےٰ کو مٹانا چاہتا ہے اور ہر اس کوشش کے خلاف جو فاسد نظاموں کی ترقی و ترویج کے لیے برسرِ پیکار ہو۔ صاف صاف لفظوں میں جمہوریت کے خلاف، سوشلزم کے خلاف، بادشاہت کے خلاف، سرمایہ داریت کے خلاف اور اسلام کے نام پر آمریت کے خلاف۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

”بے شک اصل دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے“۔

اے ہمارے اللہ!

اے ہمارے پروردگار!

ہماری آرزوؤں کو عمل کے انداز اور ہمارے عمل کو نتیجہ خیز تحریک کی صورت نصیب فرما اور راہِ حق میں وہ مخلص، جفاکش اور صابر ساتھی عطا فرما جن کی تقدیر سے تو خود بھی محبت رکھتا ہو۔ آمین بحرمت سید المرسلین وبارک وسلم صلی علیہ۔

سبحان ربك رب العزت عما يصفون وسلام على المرسلين والحمدلله ربّ العالمين

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلیلِ راہ

اس میں شک نہیں کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ مذہب کے لحاظ سے کوئی شخص کتنا ہی دور ہٹا ہوا کیوں نہ ہو، وہ اس بات کا معترف ضرور رہتا ہے کہ کائنات کی یہ رونقیں دوام نہیں رکھتیں۔ دنیا کی یہ چہل پہل فانی ہے اور ہر بننے والی شے کو ایک دن فنا کا منہ ضرور دیکھنا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

(الرحمٰن:۲۶،۲۷)

''اس پر جتنے ہیں ہر ایک کو فنا ہے اور تیرے پروردگار کی ذات باقی ہے جو عظمت والا اور اکرام والا ہے''۔

ہم مسلمان ہیں اور اس حیثیت سے ہمارا عقیدہ دوسری اقوام کی نسبت زیادہ واضح اور صداقت پر مبنی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ہمارے عقیدہ میں شامل ہے کہ موت ایسی فنا کا نام نہیں جس کے بعد زندگی کا تصور نہ ہو، بلکہ موت کی حیثیت ایک سفر کے سوا کچھ نہیں۔

موت زندگی کے چہرے پر پڑا ہوا وہ نقاب ہے جس کے اٹھتے ہی انسان عالمِ جاوداں کی سیر کرنے لگتا ہے، البتہ وہاں کامیابی کا راز دنیا میں کئے جانے والے اعمال کے اچھا ہونے میں مضمر ہوتا ہے۔

خوش بخت ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنے آج کو کل کے لیے قربان کرتے ہیں اور اس ناپائیدار زندگی کے آئینہ میں موت کے بعد پیش آنے والے احوال کی تصویر دیکھتے ہیں۔

کتنے بلند تھے وہ لوگ جو اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ ''متاع الدنیا قلیل'' دنیا تو

تھوڑی سی متاع ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''ایسے نہ ہو جا کہ تو دنیا کے سامنے ہاتھ باندھا ہوا غلام نظر آئے بلکہ دنیا تیری محکوم اور مغلوب رہنی چاہیے۔ کبھی آپ فرماتے ہیں کہ'' دنیا کی حیثیت بیت الخلا سے زیادہ نہیں، خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ'' میری حیثیت اس دنیا میں ایک مسافر کی سی ہے جو ایک درخت کے سائے میں تھوڑی دیر ٹھہرا اور پھر چل دیا''۔

دوستو!

کوئی مانے یا نہ مانے، ایک سچے مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اسے خدا کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ زندگی مابعد الموت کی کامیابی کا اصل راز کیا ہے تو اس مسئلہ کے حل کے لیے ہمیں اس امتحان کی نوعیت دیکھنی ہوگی جو اُخروی زندگی کے ابتدائی مرحلوں میں منعقد ہوگا۔

امتحان میں پوچھے جانے والے سوالات پہلے بتائے تو نہیں جاتے لیکن وہ ہمارا ربّ بھی ہے اور محسن بھی۔ اس نے رسالت مآب ﷺ کی زبانِ گوہر بار سے پہلے ہی ہمیں بتا دیا کہ تمہیں بنیادی طور پر ان تین سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔

من ربك — تمہارا ربّ کون ہے؟

مادینك — تمہارا دین کونسا ہے؟

ماکنت تقول فی حق ھذاالرجل — اس مکرم شخصیت رسول ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا رہا؟

معلوم ہوا کہ اخروی کامیابی کا راز مذکورہ سوالوں کا صحیح اور موزوں جواب فراہم کرنے میں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ نے ان تین بنیادی حقیقتوں اور عقیدوں کی وضاحت بڑی اہمیت کے ساتھ بیان فرمائی۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے:

من قال رضیت باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نبیناوجبت لہ الجنۃ (مسلم۔نسائی۔ابوداؤد)

''جس نے کہا میں اللہ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوا، تو اس کے لیے جنت واجب ہوئی''۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا و بالاسلام دینا وبمحمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) رسولا

''جو اللہ کے ربّ، اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا''۔

اگر آپ ان احادیث پر غور کریں تو یہ سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ قبر میں پوچھے جانے والے سوالوں کا جواب رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلاموں کو خود سکھایا۔ اس لحاظ سے مستقبل کی کامیابی اور فائز المرامی کے لیے ہمیں اپنی زندگی کی بنیاد انہی تین اصولوں پر رکھنی ہوگی۔

☆ اللہ ربنا — اللہ ہمارا ربّ ہے۔

☆ الاسلام دیننا — اسلام ہمارا دین ہے۔

☆ محمد ﷺ نبینا و رسولنا — محمد ﷺ ہمارے نبی اور رسول ہیں۔

یاد رہے کہ ہمیں مذکورہ تین باتوں سے صرف اور صرف اپنے نظریات وافکار کی دنیا ہی کو آراستہ نہیں کرنا بلکہ فلاح انسانیت کے لیے کامیاب زندگی کے ان تین اُصولوں کی روشنی عام بھی کرنی ہے اور اپنے ذاتی اور اجتماعی عمل سے ثابت کرنا ہے کہ ہماری زندگی سے متعلق تمام شعبوں کا مرکز اور محور بھی یہی تین اصول ہیں۔

اخلاص اور اخلاق کا یہی وہ راستہ ہے جہاں آخرت کی طرف بڑھنے والے انسانی قافلوں کو سکون اور راحت میسر آتی ہے۔ یہی وہ اسلحہ ہے جسے حاصل کر کے دنیا کی بڑی سے بڑی قوت کو شکست دی جا سکتی ہے لیکن یاد رہے کہ آنکھ جس طرح نازکی کی وجہ سے بال بھی برداشت نہیں کر سکتی، اسی طرح مسلمانوں کا عقیدہ اتنا صاف اور ستھرا ہوتا ہے کہ وہ گندے خیالات کا چھوٹا سا

دھبہ بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

عقیدے کا حسن چونکہ اچھے عمل کی بنیاد ہوتی ہے اور اچھا عمل بہتر نتائج پیدا کرنے کا ضامن ہوتا ہے، اسی لیے ایک سچا مسلمان حسن عقائد کا متوالا ہوتا ہے۔ اس کی قوتِ احساس اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کے سامنے سرِ عبادت نہیں جھکاتا۔ وہ خدا کو عیوب و نقائص سے منزہ سمجھتا ہے اور اس کی دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ ہی کی ذات ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ:۱۶۵)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوئے ہیں وہ حد سے بڑھ بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں''۔

خدا کی معرفت اگرچہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے لیکن بھائیو اس تک پہنچنے کے راستے اس قدر پیچیدہ ہیں کہ اگر بے وسیلہ چلا جائے تو گمراہیوں کے ہزار خطرے آڑے آسکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنے پیارے رسول بھیجتا رہا ہے اور ان پر ایمان لانا خدا پر ایمان لانے کا اولین تقاضا ہوتا ہے۔

اب چونکہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اس لحاظ سے آپ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی لیے مسلمان بڑے ٹھوس طریقے سے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور ہمارے رہنما ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات ہماری محبتوں اور عقیدتوں کی آماجگاہ ہے۔ آپ ﷺ معصوم عن الخطا یعنی بے عیب ہیں۔ آپ ﷺ کی شان میں ذرہ بھر گستاخی خواہ وہ کنایۃً کیوں نہ ہو، موجب کفر ہے۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے وہ ذمہ داریاں جو ایک مسلمان کے کندھوں پر پڑ جاتی ہیں وہ قرآن مجید کو دستورِ حیات اور بے عیب کتاب تسلیم کر لینے کے بعد اس کے نفاذ کی کوششیں ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم چاہتے ہیں کہ نفاذِ شریعت کا انقلابی عمل فرد سے اجتماع کی طرف بڑھے

اور خاندان سے محلّہ اور پھر محلّہ سے شہر کی جانب رُخ کرے اور اس عظیم مقصد کے لیے ضروری ہے کہ گھر گھر میں قرآنی تعلیم عام ہو جائے۔ ایک ایک فرد کے سینے میں دین مصطفےٰ ﷺ کے لیے مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ لوگوں کا ایک ایک عمل حضور ﷺ کے اُسوہ کے مطابق ہو جائے اور خیالات اُجلے، افعال تابناک اور جذبات سحر انگیز بن جائیں۔

کھانا کھایا نہ جائے تو غذائیت حاصل نہیں ہوتی، سفر کا آغاز نہ کیا جائے تو منزل میسر نہیں آتی۔

شیدائیان اسلام!

اگر آپ واقعی اس دنیا میں خیر و فلاح اور نیکی و بھلائی کی دولت عام کرنا چاہتے ہیں تو صرف یہ عقیدہ ہی کفایت نہیں کرے گا کہ قرآن بے مثل کتاب ہے بلکہ اس رفیع الشان کلام کے اصولوں کو سیکھ کر اخلاق و معاملات اور عبادات و افکار سبھی کو اللہ کی مرضی کے مطابق بنانا ہوگا اور ظاہر ہے یہ عظیم مشن اتنا سطحی نہیں کہ صرف علماء و مشائخ کا کام کافی ہو جائے۔ اس کے لیے تو ایک ایک آدمی کو محنت و مشقت اٹھانی ہوگی۔ وقت، جان اور مال کی قربانی پیش کرنی ہوگی۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات ختم کر کے آپس میں مل بیٹھنا ہوگا۔ ریا کاری اور تکبر، غرور اور رعونت، خود پسندی اور نفس پرستی کے ماحول سے نکل کر للّٰہیت اور خدا پرستی کی پرنور فضاؤں کا رُخ کرنا ہوگا۔

اس قاعدے کلیے سے کسے انکار ہوگا کہ جو بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے، گندم بو کر جَو اور جَو بو کر گندم حاصل نہیں کی جا سکتی۔ زندگی کی مثال کھیت کی سی ہے اس میں جو بوؤ گے، وہی کاٹو گے۔ خیر کا صلہ خیر ہوگا اور برائی کا نتیجہ بہر صورت بُرا ہوگا۔

سوچ اور فکر کے اسی اہم اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم قرآنی الفاظ میں آپ کے سامنے ایک دینی دعوت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا

جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (الحج:۷۷،۷۸)

اے ایمان والو!

رکوع کرو اور سجدے میں گر پڑو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو

اور بھلائی کے کام کرو تا کہ تم کامیابی پاؤ

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے

اُسی نے تم کو مقام رفیع سے نوازا

اور دین میں تم پر اُس نے کچھ تنگی نہ رکھی۔

صاحبو!

اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ بدی کو شبِ دیجور میں نیکی کا سفر مشکل ہو رہا ہے اور مادیت کے خنجر جسدِ ایمان کو مجروح کر رہے ہیں تو آیئے ایک عزم اور حوصلے کے ساتھ صداقتوں کے متلاشی بن کر اپنا سفر آخرت اس نورِ حقیقی کے اجالوں میں جاری رکھتے ہیں جس کے بارے میں خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ (المائدہ:۱۵)

''بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور روشن کتاب آئی''۔

راہِ حق کے مشتاق ساتھیو!

آپ کے سامنے یہ دینی دعوت رکھ دی گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اب آپ میں سے کون شخص اس مقدس سفر میں ہمارا ساتھی اور رفیق کار بنتا ہے؟ ہم اس فکر کی تلاش میں نکلے ہیں، جو قرآن وسنت سے خود منور ہونا چاہتی ہو اور پھر اس نور کو پھیلانے کے لیے سیمابیت کی حامل ہو۔ ہمیں وہ نوجوان درکار ہیں جو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو دینِ مصطفےٰ ﷺ کی خدمت میں صرف کرنے کی تڑپ رکھتے ہوں۔

ہم ان بزرگوں کی شفقت سے بھی محرومی نہیں چاہتے جن کے تجربات اور عمریں قدم قدم

پر ہمارے لیے نشانِ راہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

آپ سے محبت وتعاون کی امید رکھتے ہوئے اپنے خالق اور مالک، معبود اور مطلوب کے حضور دل کی گہرائیوں سے التجا کرتا ہوں کہ:

اے میرے محسن!

میری آنکھوں کی ٹھنڈک!

رسول اکرم ﷺ کی مقصود ذات!

میرے خدا! میرے ربّ اور میری چاہتوں کے محور!

ہمارے لیے اپنا راستہ آسان فرما دے۔

ہمیں ہمیشہ ان لوگوں کا غلام رکھ جو تیرے در کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔

آمین یاربّ العلمین بحق رحمة للعلمین

سبحان ربك رب العزة عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العلمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نشانِ منزل

انسان کو جو چیز حیوانوں سے ممتاز اور ممیّز کرتی ہے وہ فکر و تدبر اور عقل و خرد سے آراستہ بامقصد زندگی کا تصور ہے۔ وہ لوگ خوش بخت اور سعادت مند ہوتے ہیں جو اپنی اس ناپائیدار عمر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوب سے خوب تر کی جستجو میں لگے رہتے ہیں اور ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ لایزال حوصلوں اور نیک تمناؤں کے سائے میں فلاح و صلاح کی منزل کی طرف سفر جاری رکھنے میں گزرتا ہے۔

ایسے انسان جن کی آنکھوں میں محبت و چاہت کی چمک اور پیشانیوں پر ایمان اور عمل صالح کا نور ہو، انہیں دنیا کی کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔ عروج و ارتقاء کی روشنیاں صبح اُمید بن کر ایسے عشق جو اور جفا خو لوگوں کو نوید مسرت سناتی رہتی ہیں۔

یہی ہماری دنیا جو آج خودغرض انسانوں کی سفلی خواہشات، ذاتی انا کے سیاہ جذبات اور مادیت پرستی کے وحشت ناک عزائم سے درندوں کا بھٹ بن چکی ہے۔ اعتماد کی فضائیں جھوٹ اور مکاری کے دھوئیں سے بکھر چکی ہیں۔ بے مہری اور سرد تعلقی، نکما پن اور سستی کے تعفن نے حواسِ شرافت کو مجنون و لاشعور بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ دنیا بدل سکتی ہے، یہاں انقلاب آ سکتا ہے لیکن اس کی بنیادی شرط داعیٔ انقلاب حضرت محمد ﷺ کی مکمل اطاعت و اتباع ہے۔

یہیں سے مجھ کو ملے گا نشان منزل کا
کلامِ حق کا صحیفہ تلاش کرتا ہوں

فلاح و خیر کی وہ دولت جو انبیاء کے دامانِ رحمت سے میسر آتی ہے، فی زمانہ اس کے امین مسلمان ہیں۔ اگر اس قوم نے اپنے فرض منصبی کا احساس نہ کیا تو اپنی بدحالی اور دوسروں کی

جہالت ومحرومیت کی تمام تر ذمہ داری انہی پر عائد ہوگی۔

دنیا کا عام انسان اگر مجنون بن کر اسلام کی دولت سے دامن جھٹک رہا ہے تو اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمان بھی ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور اتنے بے پرواہ ہو جائیں کہ ربّ قدوس کے جمالِ ازلی کی بجائے مادہ کے پرستار ہو جائیں اور پھر ان کی روش سے تحریک اسلام زندگی اور توانائی سے محروم ہونے لگے۔

اگر مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس عالم کی افسردہ حالی کو مسرت وطمانیت کی جنت سے بدلنے کے لیے اسلام ہی کارگر نسخہ ہے تو سب سے پہلے اس کا تجربہ اپنے آپ پر کریں وگرنہ دنیا کہے گی۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ:۴۴)

''حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو اپنے آپ کو''۔

اس وقت دنیا کے نقشے پر کم وبیش چالیس پچاس ریاستیں مسلمانوں کی موجود نظر آتی ہیں لیکن کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو مکمل اسلامی نظام کی حامل ہو۔ ظاہر ہے جماعتیں اور ریاستیں، افراد اور شہریوں سے بنتی ہیں اور افراد کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ۹۹ فیصد مسلمان آبادی نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی ذمہ داریوں سے عاری دکھائی دیتی ہے۔ نہ صرف عاری بلکہ تنگ بھی (معذرت کے ساتھ) اخلاق تباہ ہو گئے ہیں معاملات بگڑ چکے ہیں حس مردہ ہو چکی ہے، جذبات ٹھنڈے ہو گئے ہیں، ایسے حالات میں سوائے اس مشورہ کے اور کیا کہا جا سکتا ہے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ اس کے سوا زندگی حاصل کرنے کی کوئی دوسری صورت نظر بھی نہیں آتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

(الانفال: ۲۴)

''اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں بلائیں تو حاضر ہو جاؤ اس لئے کہ اُن کی دعوت میں تمہاری زندگی مضمر ہے''۔

اگر ملتِ اسلامیہ بھرپور طریقے سے تربیت کے لیے اپنے آپ کو قرآن اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مطہرہ کے حوالے کر دے تو انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ اتم روحانیت، فقید المثال اخلاقی قوت اور بے نظیر تعلیمات کی بنا پر دنیا کو مسخر کرنے کے قابل ہو جائے گی اور پھر بعون اللہ العزیز یہ بات مشکل نہیں رہے گی کہ اللہ کی اس زمین پر اللہ ہی کا قانون جاری وساری ہو جائے۔

اے اللہ!

ہمیں توفیق بخش کہ ہم تیرے بندے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام بن کر زندگی گزاریں۔

آمین یا ربّ العالمین

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلم على المرسلين و الحمد لله رب العلمين

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احساسِ زیاں

عصر حاضر کا انسان خوش ہے اور فخر سے سوچ رہا ہے کہ مادی علوم اور اکتشافات نے اسے راحت اور سکون کی دولت عطا کی۔ سائنسی ایجادات کے وسیلہ نے اسے اس قابل بنایا ہے کہ مادہ(Matter) اس کے ہاتھ میں موم بنا۔۔۔۔۔عالمی مشترکہ اور یکساں تہذیب و حضارت نے انسان کو انسان کے قریب کیا۔ نئے علوم وفنون نے انسان کے لیے سورج کی شعاعوں کو مقید کیا۔ سمندر کی طوفان خیز موجوں کو مسخر کیا اور زمین کی سنگلاخ چٹانوں کو توڑ کر ارضی دفینے اور خزینے باہر کئے۔

عہد حاضر سے متعلق رفاہیّت ناقصہ کی اس تحریک نے ہمارے زمانہ کے انسان میں مادی مسابقت کا وہ جذبہ بھر دیا کہ بچے سے لے کر بوڑھے تک مادی اور مالی خواہشات کے ادھورے اور بے ثبات تصورات میں ایسے منہمک اور مستغرق ہوئے کہ جہاں زندگی کے حقیقی مقاصد سے بغاوت ہونے لگی وہاں اخلاقی بحران نے انسان کو آدمیت کے دائرہ سے کھینچ کر حیوانات کی سرحدوں سے پار لگانا شروع کر دیا۔

ہم میکانکی اور طبیعاتی(Mechanical and Physical) ترقی کے مخالف نہیں۔ ہم انسانی زندگی کی رونقیں اور چہل پہل چھیننا نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد سفینہء زندگی کو جہالت کے بھنور میں ڈال دینا نہیں۔ ہم انقطاع رنگینی ورعنائی کے قائل نہیں اور ہم عصری ضروریات اور تقاضوں سے نا آشنا بھی نہیں لیکن اس ترقی وارتقاء کو ضرور قابلِ صد نفرین تصور کرتے ہیں جس کی آڑ میں انسان اپنی ذاتی، نفسانی اور مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے آدمیت کا خون کرے، امن کو پامال کرے، اخلاقِ حسنہ کی جبیں پر بدنما صورت ثابت ہو اور خصوصاً وہ روحانی اور کائناتی نظام جس نے انسان کو انسانیت کے دائرہ میں رہنا سکھایا۔ اسے اپنی علمی، تحقیقی اور تحریکی کوششوں سے درہم برہم کرے۔

ہمارے دور کا المیہ تو یہ ہے کہ یہاں انسان تو انسان رہے، افراد تو افراد رہے، قبیلے قبیلیوں کو کھا رہے ہیں، جماعتیں جماعتوں کو ہضم کرنا چاہتی ہیں۔ فرقے فرقوں سے لڑ رہے ہیں، قومیں قوموں کو نشانہ بنا رہی ہیں۔ ممالک کی خواہشات ممالک کی خواہشات کے ساتھ ٹکرا رہی ہیں۔ دنیا انسانی برادری کی جنت ہونے کی بجائے جہنم نظیر ہو کر رہ گئی ہے۔

حیف بالائے حیف یہ کہ وہ مسلمان قوم جسے انسانیت کے الجھے ہوئے گیسوؤں کو درست کرنا تھا، جسے خزاں رسیدہ دنیا کو نوید بہار سنانی تھی، جس کی دعوت میں انسانی احوال کی اصلاح کا راز مضمر تھا اور جس کے سر پر کائنات کے پالن ہار نے ''کنتم خیر اُمة'' (تم بہترین امت ہو) کا تاج رکھا تھا، ایسی بے حس اور غفلت شعار ہوئی۔ اپنے مشن کو ایسا فراموش کیا کہ ذاتی کردار کی پختگی کو تو رہنے دیجئے، اجتماعی معاملات میں بھی ذلت اور رسوائی، تنزل اور انحطاط کی گاہک دکھائی دینے لگی۔

بے ادبی معاف! تمکن فی الارض اور غلبہ اسلام جیسی نعمتیں کھو کر اور اتحاد اور خلافت جیسی دولتیں لٹوا کر اپنی بربادی اور ہلاکت، افلاس اور نکبت پر قہقہے لگانے والی کوئی بد بخت قوم میں نے اس جیسی نہیں دیکھی۔۔۔۔۔ دنیا میں الحادی بیساکھیوں کے سہارے جو پر امن مسکینی کی زندگی میسر تھی اس کے حق میں اغیار کی سازشیں یہاں منتج ہوئیں کہ ایران اور عراق ہیں تو ایک دوسرے کے خلاف مزاحم ہیں۔ سعودیہ اور لیبیا ہیں تو ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے صادر کر رہے ہیں۔ اگر مصر دنیائے عرب سے کٹا ہوا ہے تو شام اور اردن تشتت و افتراق کی فضا میں گھوم رہے ہیں۔ آدھی مسلم آبادیاں اگر یورپ کی گود میں بیٹھی ہیں تو آدھی سوشلزم پر فریفتہ ہیں۔

دائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بلاشبہ مسلمان اپنی روشن تاریخ، انقلابی عزائم، اصلاحی ارادوں، فکری تازگی اور تعمیری تحریکوں کے لحاظ سے انسانیت کا فخر ہیں، نہ صرف فخر بلکہ عصمتِ انسانیت کے حقیقی محافظ بھی یہی ہیں۔ ان کا انحطاطِ وقار انسانیت کا زوال ہے۔ ان کی تخریب اور بگڑنا مخلوق ارضی کے لیے عذاب، ہلاکت، بربادی اور قہر کا

پیغام ہے، لیکن کیا یہ صحیح نہیں کہ نظامِ دنیا کا بگاڑ جہاں لغزشوں، طاغوتی ہتھکنڈوں، فجوری یورشوں، الحادی بے اعتدالیوں اور ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہے وہاں مصلحین انسانیت مسلمانوں کے غیر ذمہ دارانہ طرزِ حیات، اپنے مقام سے ناآشنائی مقاصدِ زندگی کی عدم فہمی اور دامن رسالت کا ترک کر دینا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مغربی مفکر برنارڈ شا سے جب کسی نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے اچھی کون سی شے ہے تو اس نے جواباً کہا ''اسلام'' پھر جب پوچھا کہ دنیا کی بدترین چیز کون سی ہے تو اس نے برجستہ جواب دیا ''مسلمان'' مغربی مفکر کا یہ قول مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت سے کم نہیں۔

وقت کا نقیب زندگی کی رزمگاہ میں کھڑا پکار رہا ہے کہ یہ وقت سونے کا نہیں کفر اور طاغوت کے خلاف، رجس اور شیطانیت کے خلاف علم جہاد بلند کر دینے کا ہے۔ زندگی اگر حرکت کا نام ہے تو یہ بوڑھا آسمان زمین پر بے حس اور بے جان نعشوں کے ڈھیر کب تک دیکھتا رہے گا۔ چاند اور ستارے غافل انسانوں کی مردنی پر کب تلک ماتم کرتے رہیں گے۔ مسلمانوں کے وجود میں ''ففر واالی اللہ'' (بھاگو اللہ کی طرف) کی آیت کب نغمہ زن ہوگی۔

''جاھد وافی اللہ حق جھادہ'' کا نور کس وقت مسلمان کی آنکھ کا سرور بنے گا۔ وہ کون سا وقت ہوگا جب مسلمانوں کی گود میں پڑا ہوا قرآن ان کے کردار میں بس کر انسانوں کو ''وافعلو الخیر'' کا منشور دے کر عمل کی صورت اختیار کرے گا۔ یہ قوم کس وقت ''توبو االی اللہ جمیعا'' ''سارے اللہ کی طرف رجوع (توبہ) کرو'' کا مصداق بنے گی۔

مسلمانو!

اگر تم نے اسلام کے نام پر جاہل رہنے اور نظامِ مصطفےٰ ﷺ کے عنوان سے بے حس زندگی گزارنے کا تہیہ کر رکھا ہے تو اسلام کا نام بدنام کرنا چھوڑ دو اور اپنی بدبختی کے قفل قرآن پر مت چڑھاؤ۔ اسلام کو اگر تم دین کائنات سمجھتے ہو، قرآن کو اگر تم متاع انسانیت تصور کرتے ہو تو بے حسی اور جمود کی دلدل سے تمہیں باہر آنا ہوگا۔ تمہیں بیکار مصروفیات کو ترک کرتے ہوئے اصحاب رسول ﷺ کی زندگیوں کو مشعل راہ بناتے ہوئے اس دین مبین کے لیے ہر ممکن قربانی پیش کرنی ہوگی۔

شاید تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ اطراف و جوانب سے آنے والی نظام مصطفیٰ کی آوازیں تمہاری تقدیر کے بند تالے کھول دیں گی۔ عالمِ اسلام میں تنفیذِ شریعت کے نعرے تمہیں ''انتم الاعلون'' کا مصداق بنا دیں گے، نہیں قطعاً نہیں اقوام نعروں سے نہیں سرخرو ہوتیں۔ ملل ہڑتالوں سے نہیں بنتیں، ادیان جلوسوں سے نہیں نافذ ہوتے اور انقلاب دعووں سے نہیں آتے۔ ان اہم مقاصد کے لیے کامیابی بے پناہ خلوص، انتھک کوشش، مضبوط ایمان، اٹل عقیدے اور محنت و جانفشانی سے حاصل ہوتی ہے۔

انسانی قیادت کے عظیم منصب اور غلبہ اسلام کے لیے ابھی ہماری قوم کو تربیتی سانچوں میں ڈھلنے کی ضرورت ہے۔ دل و دماغ کی صفائی درکار ہے اور یہ سب کچھ اگر ہو سکتا ہے تو طریقِ نبوت اور ولایت پر ہی ہو سکتا ہے لیکن وائے حسرت کہ مدرسہ چپ ہے، خانقاہ ٹھپ ہے، حاکم غافل ہیں، سیاست دان مفادی ہیں اور عوام مست قلندر الا ماشاء اللہ

قوم کی گاڑی اگر خراب ہے تو گاڑی کے اندر بیٹھ کر اسے ٹھیک نہیں کیا جا سکے گا۔ اسے درست اور فعال کرنے کے لیے اور اس کے پہیوں میں حرکت اور سرعت پیدا کرنے کے لیے دانشوروں اور علماء کو خانقاہ نشینوں اور حکمرانوں کو اہل درد اور اہل محبت کو خراب گاڑی کے نیچے داخل ہو کر درست کرنا ہوگا اور انقلاب کا یہی طریقہ کار ہے جو ہمیں انبیاء اور اولیاء عطا کرتے ہیں۔

اے اللہ!

میری قوم کو وہ عزم اور ہمت نصیب فرما

جس کے سہارے یہ اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کر لے

اس کے بازوؤں کو وہ قوت عطا کر جس سے ظالموں کو عبرت کا سبق سکھایا جا سکے

اور تنفیذ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی راہیں ہموار ہو سکیں۔

آمین بحرمة سید المرسلین ﷺ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راہِ اتحاد

ایک معصوم اور تقدس مآب تمنا جو ہر مسلمان کے سینے میں مچل رہی ہے وہ اسلام کا اتحاد ہے۔ اسلامی برداری کا رکن اور فرد ہونے کی حیثیت سے ہر مسلمان اس امن افزاء اور سکون آفریں تدبیر کا دل سے قائل ہے اور شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جو یہ نہ چاہتا ہو کہ دنیا سے کالے گورے کی تمیز ختم ہو جائے اور ملت اسلامیہ قیود و حدود اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر ''مسلم امہ'' کی صورت میں متحد اور یکجا ہو کر انسانی خدمت کے لیے مصروفِ کار ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ''اتحاد بین المسلمین'' ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر دنیا معروف اور نیکی، احسان اور صداقت کے پھولوں سے سج سکتی ہے اور اسی کے وسیلہ سے پائے حیات میں چبھے کانٹے نکالے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا اتحاد اور اتفاق وقت کی ضرورت بھی ہے اور خداوند قدوس کا ایک حکم بھی، ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری بھی کوشش ہے اور دعوت یہی ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا جائے۔ اختلاف و افتراق سے کلیتہً اجتناب برتا جائے اور اس بات کی سعی بلیغ کی جائے کہ عالمی سطح پر مسلمانوں میں محبت و مروت اور مودت و اخوت کی ایک لہر دوڑ جائے۔

مسلمان قوم وسائل اور صلاحیتوں کے اعتبار سے کسی بھی قوم سے پیچھے نہیں۔ مجموعی لحاظ سے دنیا کی آبادی کا تیسرا حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ خداوند قدوس نے علم و فن، مال و دولت، بحر و بر، قوت و طاقت، سیم و زر، عقل و خرد، اقتدار و اختیار اور ریاست و حکومت کوئی بھی ایسا عطیہ نہیں جس سے انہیں نہ نوازا ہو، قدرت کے خزانے سخاوت کے ساتھ ان کے لیے کھلے ہیں۔ فطرت کی بساطِ عطا ہر وقت ان کے لیے بچھی ہوئی ہے۔ اسرافیل انقلاب ہر آن ان کے

لیے صور پھونک رہا ہے۔ زمانے کے شب و روز اس امید سے خوش ہیں کہ مسلمان ابھی انگڑائی لے گا، ابھی اٹھے گا اور اپنے فریضہء زندگی کی تکمیل کرنے میں کوشاں ہوگا لیکن حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان ہیں کہ:

زمین جنبد نہ جنبد گل محمد

وائے حسرت کہ اس وقت عملی طور پر مسلمانوں کا اتحاد نہایت کمزور ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ذاتی کینہ توزیوں کی وجہ سے خارجی ریشہ دوانیوں نے ان کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ کفار اپنی مذموم کوششوں سے مسلمانوں کے اہم مراکز کمزور کر رہے ہیں۔ سامراجیت کی دیدہ دلیریاں اور سینہ زوریاں ملاحظہ ہوں کہ اب حرمِ قدس پر بھی اپنا شوقِ تصرف پورا کرنے کی ترکیبیں سوچی جا رہی ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں میں شوقِ نمود ختم ہو گیا ہے اور ان کی پاک آرزوئیں کچلی جا چکی ہیں اور اب ان کی نشاۃ مکررہ کا کوئی امکان نہیں رہا، بلکہ افسوس ہمیں یہ ہے کہ مسلمانوں کی وہ سادگی اور بڑھتی جا رہی ہے جس نے ہمیشہ سے دھوکہ دیا ہے۔

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

جہاں تک اتحاد بین المسلمین کے لیے فی زمانہ ہونے والی کوششوں کا تعلق ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ اطمینان بخش نہیں بلکہ کئی اعتبارات سے درست بھی نہیں۔ ہمارے داعیانِ اتحاد صرف اشک ریزی، مرثیہ خوانی، سوز انگیزی اور تقریر آرائی سے ایک دُوررس انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ گرجدار لہجے، برق آسا خطبے اور غنا انگیز تقریریں اگر قبرستان میں کی جائیں تو مردے برسرِ پیکار نہیں ہو سکتے اور پھر جب داعی کے اپنے قول و عمل میں تضاد اور تصادم ہو تو اتحاد کا سوچنا فضول سی بات ہے۔

آج کے داعی اتحاد کی فکر کے مطابق جو سوشلزم کو مانے وہ بھی مسلمان ہے، جو خدا کی صفات کا منکر ہو وہ بھی مسلمان ہے، جو صداقتِ قرآن پر ایمان نہ رکھتا ہو وہ بھی مسلمان ہے۔ معاف کرنا اگر کوشش ایسے ہی مسلمانوں کے اتحاد کی، کی جا رہی ہے تو پھر چشم بددور نعرہ

لگانے میں غلطی لگ گئی۔ بات تو اتحاد بین الناس کی ہونی چاہیے تھی۔ فرض کیا ہمارا یہ مقصد غلط بھی ہو تو نفرتوں کی باتیں محبتوں کی زبان میں اور محبتوں کی باتیں نفرتوں کے لہجے میں اتحاد نہیں پیدا ہونے دیتیں۔

ہمارے خیال میں اتحاد کے لیے پہلا کام تطہیر ہے جس کے تحت سیاست دانوں سے لے کر عوام تک، علماء سے لے کر مشائخ تک اور محکوموں سے لے کر حکام تک سبھی لوگ اپنے اپنے ماحول زدہ اسلام کو قرآن اور حضور ﷺ کی سنت پر پیش کریں اور سچے دینی تقاضوں کے مطابق اگر کوئی قربانی دینا پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں، اگر کوئی بت توڑنا پڑے تو اُسے توڑنے سے اجتناب نہ برتا جائے۔ اس عمل سے خود بخود اسلامی اخوت عام ہوگی، نور نور کو پہچان لے گا، روشنی روشنی کی پیامبر بنے گی، اجالے اجالوں کو جنم دیں گے۔ منافقت مسلمانوں کی صفوں سے خارج ہوگی اور حضور ﷺ کے غلام قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح بنیان مرصوص دکھائی دیں گے۔

اگر ہماری یہ دعوتِ فکر درست نہ بھی تسلیم کی جائے اور یہ اصرار ہو کہ مسلمان نام کا آدمی جو بھی ہے، خواہ وہ لکڑی کا ہے یا موم کا، لوہے کا ہے یا تانبے کا، سب کو اکٹھا کیا جائے تو بھی مشکل یہ ہے کہ اتحاد کی مقابل اصطلاح فرقہ یا تفرقہ کو ابھی تک سمجھا نہیں گیا۔ ابھی تک اتحادی بارود صرف مذہبی طبقوں پر استعمال کیا گیا اور انہی کے اختلافات کو ہوا دے کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔

ایک وزیر صاحب لبنان کی تباہی پر بڑی مؤثر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے کہ:

"پاکستان کے دیوبندیو اور بریلویو، شیعو اور سنیو! لبنان جہنم زار بن گیا ہے اور مسلم اُمہ لُٹ رہی ہے، اختلافات چھوڑ دو اور متحد ہو جاؤ"۔

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات اگرچہ تخریب کاری کرتے رہے لیکن ملت اسلامیہ کی تباہی اور بربادی کا ذمہ دار صرف انہیں نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر اس کا جائزہ مقصود ہو تو آپ پاکستان کی تاریخ ہی کا عمیق اور گہرا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہاں دیوبندی بریلویوں کے خلاف ہوئے اور اہل حدیث و احناف نے ایک دوسرے کی اقتدا میں نمازیں تک

نہ پڑھیں، لیکن پاکستان کے تحفظ کے لیے کوئی جنگ ہو یا کوئی تعمیری تحریک، تنفیذِ نظامِ مصطفےٰ کی بات ہو یا ختم نبوت کا معاملہ یہ سب ہی لوگ مل جل کر قربانیاں دیتے رہے، یہاں تک کہ کئی ایک تحریکوں میں سب نے ایک دوسرے کی قیادت کو بھی تسلیم کیا اور ہمیں اب بھی یقین ہے کہ ملی لحاظ سے مشکل وقت پڑنے پر اب بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ ہماری اس بحث کا قطعاً یہ معنی نہ لیا جائے کہ ہم مذہبی اختلافات جو افتراق کی شکل میں ہوں انہیں جائز تصور کرتے ہیں یا حاشاوکلا ہمیں کسی کے اسلام میں شک ہے۔ ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ اتحاد بین المسلمین کے نعرے کا پس منظر اچھی طرح سمجھا جائے اور اسلام کو فرداً فرداً بھی اور اجتماعاً بھی خلوص دل سے قبول کر کے اس کو عملی طور پر نافذ کیا جائے خواہ وہ پہلے مرحلے پر زمین کے کسی چھوٹے سے ٹکڑے پر ہی کیوں نہ ہو اور مسلمان جو بھی قدم اٹھائیں، وہ ٹھوس بنیادوں پر ہو اور اس کے ساتھ ہی فرقہ واریت کے خلاف جدوجہد میں تفرقہ بازی کو مذہبی اختلافات پر ہی موقوف نہ سمجھا جائے بلکہ معاشرے میں پھیلے ہوئے تشتت کے دوسرے راستے اور افتراق کی دیگر راہوں کو بھی اپنا ہدف بنا کر اتحاد کی فضا پیدا کی جائے۔

یہ امر کس سے پوشیدہ ہوگا کہ معاش اور سیاست کے نام پر کتنے ہی فرقے آج من چاہے کھیل کھیل رہے ہیں جنہیں مذہب نے جنم نہیں دیا، بلکہ انسانی خواہشات کے ظالمانہ رویے نے انہیں پیدا کیا۔ آج امیر اور غریب کے درمیان وہ بعد حائل ہے جسے کوئی روحانی قوت ہی دور کر سکتی ہے وگرنہ مزدور اور مالک کی جنگیں، آجر اور اجیر کا فساد، سرمایہ دار اور غریب کا تفاوت انسان کو انسان سے اتنا متنفر بنا رہا ہے کہ غریب کے جنازے میں آپ کو زیادہ غریب ہی نظر آئیں گے اور امراء کی میت کو کندھا دینے کے لیے زیادہ تر امراء ہی دکھائی دیں گے۔ مذہبی فرقوں سے زیادہ خطرناک یہ معاشی فرقے ہیں جن کے حوالے سے انسانیت کی تحقیر ہو رہی ہے۔ اب تو آبادیوں کی تقسیم میں بھی آپ کو معاشی حصے بخروں کا ڈرامہ نظر آئے گا۔ امراء اپنی کالونیاں الگ بناتے ہیں اور غرباء کے چھپر چھت الگ ہوتے ہیں۔

معاشی طبقہ بندی کی طرح سیاست کے میدان میں بھی جہاں مختلف گروہوں کی مذموم کارکردگی اور سفلی خواہشات کی وجہ سے بلادِ اسلامیہ کو نقصان پہنچ رہا ہے وہاں بذاتِ خود اسلامیانِ عالم کا زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خلافت کے نظام سے بغاوت کرنا دینی لحاظ سے بہت بڑا جرم ہے۔

''اتحاد بین المسلمین'' کا خواب قربانی اور ایثار کے سوا کسی بھی صورت میں شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اس اہم اور قیمتی مقصد کی تکمیل کی خاطر مفاد پرستی کی روش ترک کرنی ہو گی۔ اگر مذہبی فرقے، سیاسی گروہ اور معاشی ٹولے تعصب کا شکار ہو کر اپنی اپنی جگہ اپنی ہی بات منوانے اور اپنے ہی مفاد کو بچانے پر تلے رہیں تو اتحاد کی کوششیں ایک ڈرامے کے سوا کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اگر حلقہء یاراں میں بریشم اور طاغوت کے خلاف فولاد دکھائی دیتے تھے تو یہ سب کچھ جذبہء ایثار اور اطاعت و انقیاد کے نتیجے میں تھا۔ وہ عظیم المرتبت لوگ خود پیاسے مرے لیکن اپنے کسی دینی بھائی کو پیاسا نہ دیکھ سکے۔ ان کے پاس رات کی تاریکیوں میں اگر کوئی مسلمان بھائی بھوکا اور فاقہ زدہ ہو کر آیا تو وہ دیئے کی روشنی گل کر کے خود بھوک سے رہے اور اپنے بھائی کا پیٹ بھرا۔ ان کی یہی پاک خصلتیں اور بے نفسی کا اسوہ تھا کہ وہ انتم الاعلون کا مصداق بن کر افق سے افق تک چھا گئے۔

آج حکماء سیاسی دشمنیوں کی بنا پر انسانوں کے ساتھ وہ سلوک کر رہے ہیں، جیسے چیتے یا بھیڑیے کے ہاتھ کوئی مظلوم اور تنہا انسان لگ گیا ہو۔ سیاست دان ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ علماء کی مجلسوں میں عمامے اور عباؤں پر زر بافی ان کی مادیت پرستی پر دلالت کرتی ہے۔ فقیر کی گدڑیاں بنک (بیت المال) بنتی جا رہی ہیں۔ مادی تہذیب کا جس قدر احیاء ہو رہا ہے محبتیں اور سچی رفاقتیں مفقود ہوتی جا رہی ہیں۔ انسانی پیشانیوں پر محبتوں کا نور نہیں بلکہ نفرتوں کی شکنیں دکھائی دیتی ہیں۔

داعیان اتحاد! خدارا سوچ لو، شاخوں اور پتوں کا تصور درخت کے تنے کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ تنا نہ ہوگا تو شاخیں کہاں پیدا ہوں گی، دین نہیں ہوگا اطاعت نہیں ہوگی، عمل نہیں ہوگا تو اتحاد کہاں سے ہوگا اور کون کرے گا۔

تم حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، علماء ہو یا زہاد، دل کے کانوں کے ساتھ خدا کا یہ حکم سنو اور قربانی کے جذبہ کے ساتھ عدل کرنے کی کوشش کرو اور یاد رکھو کہ اللہ جل شانہ تمہاری ڈھکی چھپی باتوں کا جاننے والا ہے۔ تمہاری فریب کاریوں کا وبال تمہاری اپنی ہی جانوں پر ہوگا نہ خود تباہ ہو اور نہ قوم کے لیے وجہ فساد بنو۔

حریم کبریا سے آواز آرہی ہے
مومن! تیرا خالق تجھے بلا رہا ہے
اٹھ! حرص وہوئی کے پردوں کو چاک کر
رسول اللہ ﷺ تجھے دیکھ رہے ہیں
گوش برآواز ہو اور عمل کر، محنت کر، جہاد کر

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(آل عمران: ۱۰۴، ۱۰۳)

”اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں بکھر نہ پڑو اور اپنے اُوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم سب اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو آگ

کے ایک گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پر قائم رہو، اور تمہارے اپنوں میں سے ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو بلاتے رہیں بھلائی کی طرف اور حکم دیتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

میرے خیال میں اتحاد کی وہ کوشش جس کے پیش نظر کوئی اہم مقصد نہ ہو کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور وہ اہم مقصد جس کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں وہ قیامِ خلافت ہے۔ اسلامی زندگی کا یہی وہ باب ہے جس تک پہنچنا مسلمانوں کا ایک اہم فریضہ ہے۔

ہم بین الاقوامی سطح کی اس عظیم الشان کانفرنس کے وسیلہ سے مختلف ممالک سے آئے ہوئے مندوبین کے سامنے یہ کاز (Cause) اور دعوت رکھنا پسند کریں گے کہ اگر وہ واقعتاً مسلمانوں کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی غلبہ دیکھنا پسند کرتے ہیں تو اپنی اپنی ریاستوں میں انہیں تنفیذِ اسلام کی کوششیں تیز تر کر دینی چاہئیں، جب تک دردِ دل رکھنے والے ٹھوس اور بہادر مسلمانوں کے ہاتھوں میں مختلف ممالک کا اقتدار نہیں آ جاتا، کسی مستحکم اور بامقصد اتحاد کا تصور مبہم دکھائی دیتا ہے۔

آخر میں اس بین الاقوامی اتحاد سمینار کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں۔

میری آنکھوں کے نور

میرے دل کے سرور

اے میرے اللہ!

میرے ربّ!

میری قوم کو درد اور عشق عطا فرما کہ وہ زندگی تیرے ہی لیے بسر کرے

اور اُسوہ رسول ﷺ ہی سے فیض یاب ہو۔

ہم تیرے بن جائیں تو ہمارا ہو جا۔

آمین یاربّ العلمین بحق رحمۃ للعلمین

سبحان ربك رب العزة عمایصفون و سلام علی المرسلین و الحمد لله رب العلمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وسیلۂ ظفر

اس وقت ہمارے دور کا سب سے بڑا مسئلہ عالمی بے چینی اور اضطراب ہے۔ ہر شخص اپنی انفرادی زندگی کو کسی حد تک مختلف سہولتوں اور آسائشوں سے آراستہ کر لینے کے باوجود اپنے آپ کو مہیب خطرات، المناک مصائب اور کرب انگیز تکالیف میں گھرا ہوا پاتا ہے۔

مادی زندگی کے روح فرسا ہتھکنڈوں اور حیات سوز آتش نے انسانی کردار کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ شرافت اور نیکی کی تمام اقدار پائمال ہو رہی ہیں۔ اعلیٰ اخلاق عنقا اور محبت و خلوص مفقود ہو رہے ہیں۔ آدمیت حیوانیت کا روپ دھار رہی ہے۔ لالچ اور طمع کے بے رحم ہاتھ معصوم انسانیت کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ خود پسندی اور آپ پرستی کا عالمگیر طوفان بڑی سنگ دلی سے انسانی معاشرہ کو کھنڈرات میں بدل رہا ہے۔

اقوام کے خود ساختہ قوانین اور اطوار نے آدمیت اور بشریت کا تہور خاک میں ملا چھوڑا ہے۔ حکمرانوں کی بے جا تعلّیوں اور فرعونی عادات نے دنیا کو زندان نظیر کر دیا ہے۔ اکثر بڑے چھوٹوں کو اور امیر غریب کو کاٹ کھانے کے لیے تیار ہیں۔

ریاستی زندگی میں بڑے ممالک کو توسیع پسندی کا عفریت بری طرح کاٹ رہا ہے۔ سیاسی مقتدر اپنے اقتدار کی چولیں مضبوط کرنے کے لئے عوام کو چھیل کاٹ کر انہیں خدا کے بجائے اپنا بندہ بنانے کے درپے ہیں۔ دنیا کی عمومی آبادیاں فساد فی الارض کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ عام انسان ہے کہ امن و چین، سکھ اور سکون کی تلاش کے لیے ہر اس تحریک کی طرف بڑھتا ہے جو تعمیر کی داعی بن کر سامنے آتی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ تعمیر کے نام پر تخریب کی جاتی ہے اور رہبری کے عنوان سے رہزنی کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ سادہ لوح انسان روشنی کا متلاشی ہو کر چمکتی چیزوں پر

نثار ہونا چاہتا ہے لیکن کیا معلوم کہ ہوئی وہوس اور کذب وعیاری کی آگ چمک تو رکھتی ہے لیکن حقیقت میں اس کی آنچ انسانوں کو نذرِ ہلاکت کر کے چھوڑتی ہے۔

ہم جذبات سے نہیں احساسات کا وسیلہ اختیار کرتے ہوئے مظلوم انسانیت، بربریت کا شکار آدمیت اور لٹی پٹی بشریت کو اس اضطراب کی علت اور بے چینی کی وجہ برملا بتاتے ہیں کہ یہ سب کچھ نظامِ نبوت سے فرار کا نتیجہ ہے۔

اپنے ہوں یا بیگانے، انہیں یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہئے کہ انسانوں کے سچے اور صادق ہمدرد وہی ہیں جنہیں انبیاء کہا جاتا ہے اور انسانی رہنمائی کا اٹل اور واضح ضابطہ وہی ہوسکتا ہے جسے خالقِ کائنات نے خود بنایا ہو اور انبیاء کی وساطت سے عموماً اور محمد رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے خصوصاً انسانیت کو عطا کیا ہوا ہو۔

تاریخ گواہ ہے اور زمانہ شاہد کہ اسلامی قوانین سے وابستگی میں حیات مضمر ہے اور ان سے برگشتگی کا نتیجہ موت ہی موت ہے۔

اے دنیا بھر کے بھولے بھٹکے انسانو!

ہم اپنے لیے نہیں تمہارے لئے تمہیں اس صحیفۂ انقلاب کی طرف دعوت دیتے ہیں جو صرف دعویٰ نہیں دلیل بھی ہے، جو فقط نظریہ نہیں عمل بھی ہے۔ ایسا صحیفہ، ایسی کتاب، ایسی دعوت جس نے چشم زدن میں عالم بشریت کی تقدیر پلٹی، جس نے رفعت وعظمت، عزت وکرامت اور تغلب وتمکن کے سربستہ رازوں کو عیاں کیا۔ جس نے فلاح ونجات کے مضراب پر ہاتھ رکھ کر جہاں میں آزادی وحریت کے نغمے بکھیرے۔

ظالموں کے ہاتھ کاٹنے، جابروں کو مجبور کرنے، سرکشوں کو مطیع بنانے، مظلوموں کی دادرسی کرنے اور مفسدوں کو درسِ عبرت دینے کا ایک ہی راستہ ہے۔ فقط ایک ہی طریقہ کہ دنیا بھر کے انسان محسنِ انسانیت رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیں اور اپنی زندگیوں کو ان اصولوں کے مطابق ڈھالیں جن کی تلقین رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو۔

اگر چہ وحی والہام کا تعمیری پروگرام عام ہوتا ہے اور نظام انبیاء متاعِ انسانیت ہوتا ہے لیکن اس کی اثر آفرینی اسی نسبت سے ہوتی ہے جس نسبت سے انبیاء کے پیروکاران مابعد عظمتِ کردار اور عشقِ اصلاح کے نمونے پیش کرتے ہیں۔

مذکورہ صدر علت ہی کی بنا پر ہم قرآنی تعمیری نظام کو عام کرنے والے مسلمانوں سے بھی یہ عرض کرنا مناسب سمجھیں گے کہ ایمان وایقان اور بے حسی وجمود دو متضاد چیزیں ہیں، یہ کبھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں ۔اپنے لیے نہ سہی مظلوم انسانیت کے لیے بیدار رہو جائیں ۔تمہیں اغیار کے دروازوں سے فکری دریوزہ گری کی بجائے شجرِ نبوت سے منسلک رہنا ہی زیب دیتا ہے۔

ایمان چند حروف ادا کردینے کا نام نہیں ۔چند معمولات کا اپنا لینا ایمان اور اسلام نہیں کہلاتا بلکہ ایمان اور اسلام تو خدا اور رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کر لینے کے بعد اپنی زندگیوں کو خدائی اور رسولی مقاصد کے لئے وقف کردینے کا نام ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل ونگاہ کا ایمان وہ انقلابی کلید ہے جس سے تقدیر کے بند تالے کھولے جاسکتے ہیں۔وہ سینے جو ایمان کا برقی اثر قبول کر لیتے ہیں ۔ان کی ہر دعوت تعمیر کا پیغام لاتی ہے ۔زمانہ ان کے دروازے سے بھلائی کی بھیک لیتا ہے۔ارض وسما اپنے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر کردیتے ہیں۔کائنات سمٹ کر ان کی متاع امید بننا چاہتی ہے۔زندگی تطہیر کا سبق لینے ان کی شاگرد بنی آتی ہے۔

نظامِ نبی کے امینو اور چراغ بقا کے پاسبانو!

زمانہ وقت اور دور، اصلاح وانقلاب کے لیے تمہارے دروازے پر دستک دے رہا ہے اگر تم خوابِ غفلت میں مدہوش رہے تو خدا کی کچہری میں تمہیں جوابدہ ہونا پڑے گا اور کوئی بعید نہیں کہ دنیا میں بھی اللہ نہ کرے تم پر اندلس کی تاریخ دہرائی جائے۔اگر آپ ندامت وپشیمانی

سے بچنا چاہتے ہیں تو مادی مصروفیات کو ترک کر کے عزم و عمل اور ایقان و ایمان کی مشعلیں روشن کرنے کے لیے میدانِ جہاد میں اتر آئیں۔

جان تک دے دو کرو نہ پیری ابلیس کی
زندہ رہنے کی جہاں میں اک یہی تدبیر ہے

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ فکر

آج اسلام اپنے ہی ماننے والوں کے ہاتھوں جس طرح مقہوریت اور مغلومیت کی منزلیں طے کر رہا ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ علاقائی جتھہ بندیاں، سیاسی فرقے عصبیتیں، نسلی امتیازات، مالی ترجیحات، مذہبی جھگڑے اور معیشی طبقات ایمان ہو کر رہ گئے ہیں۔ مسلمان عام انسانوں کی طرح زندگی کی بنیادی حقیقتوں سے کچھ اس طرح باغی ہو رہا ہے کہ اس کا ضمیر قانون اور مذہب سیم وزر ہی دکھائی دیتے ہیں۔

تساہل، عیش پرستی اور نفس پسندی کے مہلک جراثیم نے مسلمان کو ناکارہ کر چھوڑا ہے۔ اخلاقی بحران کے اندھے طوفان مسلمان بستیوں کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ بدی اور گناہوں کے کالے جن اور فحاشی کے مہیب بھوت مسلمانوں کا ملی اور قومی شعور چھینتے چلے جا رہے ہیں۔ مسلمان، مسلمان ہو کر بھی خواجۂ کونین ﷺ کی سنتوں اور ربِ کائنات کے احکام سے بے وفائی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

یہی وہ حالات ہیں جن کے نتیجے میں بیت المقدس پر یہودی قابض ہیں، مسجدِ اقصیٰ کی بے حرمتی ہو رہی ہے، ایران میں موت اور دہشت انسانوں کو بری طرح چاٹ رہی ہے، کشمیر پنجۂ اسیری میں گرفتار ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، افغانستان میں مساجد کے محراب، خانقاہوں کے گنبد، قبروں کے کتبے، گھروں کا وقار اور بازاروں کا شور وغل اپنی تباہی و بربادی کے مرثیے پڑھ رہا ہے، بنگلہ دیش مشرقی پاکستان کے ماتم پر آنسو بہا رہا ہے، پاکستان بیرونی مداخلتوں پر احتجاج احتجاج کی صدائیں لگا لگا کر تھک چکا ہے، عراق ایٹمی پلانٹ کی بربادی پر یہودیوں کو بددعائیں دے دے کر راحت قلبی کے حصول کا

متمنی ہے۔ لیبیا کے ''انا دہ نمیری'' کے نعرے اپنی ہی حد تک ہیں اور عربوں کی دولت پانی کی طرح مغرب کی طرف بہہ رہی ہے۔

یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ ایک مسلمان اس بات کا خواہشمند ضرور ہے کہ اس دھرتی پر اللہ کا قانون جاری ہو جائے۔ یہ زمین نظامِ مصطفیٰ کی بہاریں ایک بار پھر دیکھ لے۔ توحید کے بیٹے شرق تا غرب پھیل جائیں۔ خواجۂ کونین ﷺ کا فیضِ رحمت عام ہو جائے۔ انسانی طبعیتیں اور مزاج فطرت کا رنگ لے لیں اور دنیا میں امن وسلامتی اور خوشی وشادمانی کا دور دورہ ہو۔

مکین گنبدِ خضریٰ کی قسم!

رسالت کے حُدی خوانوں کا سر کبھی نیچے نہیں ہوسکتا۔ جس سینے میں ایمان اور اسلام کی دولت ہو اسے دنیا کی کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی لیکن شرط غلامی کا پختہ تعلق، ایمان کی کامل صحت، اسلام کا پورا صدق، نیت کا صحیح اخلاص اور عمل کا سچا جذبہ ہے۔ ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' کی پالیسی یکسر غیر اسلامی ہے۔ کرم خوردہ تختوں سے بنائے گئے جہاز پانی میں تیرنے کے قابل نہیں ہوتے، ریت ستون کا کام نہیں دیتی اور چوروں کی تنظیم فلاحی کاموں کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتی۔ زندگی کی وہ روش جس پر حاکم کو اپنی حکومت سے غرض ہو اور محکوم کو اپنی نوکری کا خیال ہو۔ امیر کو اپنے سرمائے کا خوف ہو اور غریب کو اپنی روٹی سے سروکار ہو، کسی بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت نہیں ہوسکتیں۔

مسلمان جب تک اغیار کے دروازوں سے فکری اور تہذیبی دریوزہ گری کرتے رہیں گے ان کی ہیت اجتماعی میں مکمل اسلامی انقلاب کا نظریہ ایک خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھے گا۔

مجھے آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آسکی کہ تاجر ذخیرہ اندوز، افسر رشوت خور، مزدور کام چور، صنعت کار مفاد پرست، کسان تساہل پسند، حاکم عیش کوش، مولوی خود پسند، پیر گوشہ نشین، قلندر ڈھول باز، جوان لیلیٰ مثل، بوڑھا آسراجو، استاد نسل سوز اور طالب علم کوچہ پیما ہو تو اسلام کس راستے سے

آئے گا۔

ہماری مثال تو کچھ ایسے ہے کہ ایک خراب گاڑی کا مالک چند جوانوں سے دھکا لگانے کی اپیل کرے اور وہ سارے گاڑی پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور دھکا لگانے میں ایک دوسرے کا انتظار کرنے لگیں۔

نظامِ مصطفیٰ کی رکی گاڑی چلانے کے لیے آخر نگاہیں مولوی پر ہی کیوں اور ساری امیدیں حکومت ہی سے کیسے۔۔۔۔۔اس اہم مقصد کے لیے ہم سب کو بدلنا ہوگا۔ہمیں مل کر محنت کرنی اور اپنی معاشرت کی تشکیل ایمان، عمل، اتحاد اور جہاد فی سبیل اللہ کے زریں اصولوں پر کرنی ہوگی۔

یہاں یہ بحث بے سود ہے کہ پہل کون کرے؟ کام کہاں سے شروع ہو؟ قائد کون بنے اور نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہ فلسفیانہ بحثیں بہت ہو چکی ہیں، یہ منطقیانہ نتیجے بڑے اخذ کر لیے گئے ہیں، اب ضرورت صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کی ہے۔

اگر ہر مسلمان اپنے آپ کو اطاعتِ رسول ﷺ کے انقلابی نظریئے کا حامل ٹھہرا کر عمل کی راہیں استوار کر لے تو آقا حضور ﷺ کی زندگی کی قسم کائناتِ ارضی کا چپہ چپہ فلاح و تعمیر کے نور سے جگمگا اٹھے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے حبیبِ لبیب مصطفیٰ ﷺ کی کامل اطاعت و اتباع کی توفیق عطا فرما۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بارِامانت

یہ متضاد قوتوں کی رزمگاہ دنیا اللہ ہی نے پیدا فرمائی۔ ارض وسما کی تخلیق اسی قادر ذات کے ہاتھوں ہوئی۔ کائنات میں پھیلی ہوئی ان گنت آیات اور ان کے بے حجاب جلوے اور رنگ مآب منظر اسی کی قدرت کے کرشمے بن کر رونما ہوئے۔ آسمان سے برستے پانی اور دوڑتی ندیوں کو حسن وجمال اسی نے بخشا، کہ ومہ سے لے روح وملک تک رنگا رنگ مخلوق اللہ ہی نے پیدا فرمائی اور چاہا کہ ''بارِامانت'' کسی مخلوق کے کندھوں پر ڈال دے تا کہ زندگی کی گاڑی کو دھکا دینے کے لئے علت ومعلول اور سبب ومستبب کے ناطے مخلوق مخلوق کی خدمت پر کمر بستہ ہو جائے اور خود خدا کی ذات ''سوال، استفہام، آرزو، جستجو، چاہت، طلب، ارادہ اور امتحان کے پس پردہ'' چھپ جائے اور اسے تلاش کرنا ہی زندگی کا مقصود ٹھہرے، پس ہوا یہ کہ اس نے ''ذمہ داریاں'' امانت اور کتاب ہر مخلوق کو دینا چاہی اور سب نے انکار کر دیا، بے چین انسان کمال بے تابی سے آگے بڑھا اور محبت وچاہت سے یا ظلوم وجہول ہونے کی بناء پر خدا کی امانت کو قبول کر لیا اور اختیار وذمہ کا بار سنبھال لیا۔ اب زندگی امتحان بن گئی اور امتحان زندگی ہو گیا۔ ایک انسانی وجود کے اندر متضاد قوتیں اور متصادم ''داعیے'' پیدا کر دیئے گئے۔ ''روح'' ڈالی گئی اور نفس رکھا گیا۔ اس طرح آسمانی لطافتوں اور خاکی کثافتوں میں کشمکش رہنے لگی۔ نیکی کروں یا شر، اوپر اٹھوں یا نیچے گروں، علیین یا سجّین، احسن تقویم یا اسفل السافلین، روح کی سنوں یا نفس کی مانوں۔

خدا کا کرم ہوا، خالق کو سہارا دیا، مطلوب نے طالب کا ہاتھ پکڑا اور ابتلائے زندگی سے کامیاب وکامران ہونے کے لئے نظر دی، بصر دی، سمع دیا، عقل دی، دل دیا اور سوچنے والا دماغ۔ نبی بھیجے، رسول اٹھائے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ شاہکار رسالت کو مبعوث فرمایا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ آئے۔۔۔۔۔

تاریکیوں کے بادل چھٹ گئے اور انوار کے قمقمے روشن ہو گئے۔ جدھر دیکھو رحمتیں ہی رحمتیں۔ جسے دیکھو نور ہی نور، جہاں دیکھو خیر ہی خیر، جب بھی دیکھوں چین ہی چین، جسے دیکھو دل دہندہ گردیدہ، شفقتیں، برکتیں، رحمتیں، روشنیاں اور چاہتیں، حسن و سرور کی ایسی رت کہ آدمیت کا بوجھ ہلکا ہوا، افکار کے راستے متعین ہوئے، آدمیت کو بیداری ملی، شرافت کا سر اونچا ہوا۔ زندگی نور اور نور زندگی ٹھہرا۔

سورج اپنے طلوع ہونے کے ساتھ ''تاریکیوں'' کے لیے کسی گنجائش کا گوشہ نہیں چھوڑتا۔ رسالت مآب ﷺ آئے اور ابتلائے زندگی کا راز کھول دیا۔ پہلے امتحان مشکل تھا، مبہم تھا اور مغلق تھا اور پریشان کن، اب ''امتحان'' روشن کتاب کی بین آیتوں کی صورت اور ''حدیث نبوی'' کے شبنمی قطروں کی صورت میں کھل گیا۔ زمانے کا اہم سوال فطرت کی اٹل پکار اور انسانوں کی حقیقی ضرورت پہچاننا'' ٹھہرا۔

کس کی معرفت؟ اور کسے پہچاننا؟

محمد نبی ﷺ کو۔۔۔۔۔ اعظم رسول کو۔۔۔۔۔ کریم حبیب کو۔۔۔۔۔ قائدِ رحمت کو۔۔۔۔۔ اور رحمتِ رہبر کو۔۔۔۔۔ ہر لحظہ اور ہر آن پہچانتا۔۔۔۔۔ پہچان لوگے تو کامیاب وگرنہ ناکام اور سراسر ناکام۔۔۔ ان کی آشنائی علم ہے، نور ہے اور رحمت۔۔۔۔۔ ان سے بے مہری جہالت ہے، شر ہے اور زحمت۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ غلامِ نبی۔۔۔۔۔ عاشقِ رسول اور محبّ احمد، علم کا متوالا اور جہالت کا دشمن ہوتا ہے۔۔۔۔۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جہالت سے بچیں اور اس سے نفرت کریں۔ اس لیے کہ جہالت عذاب ہے۔۔۔۔۔ نارِ جہنم ہے۔۔۔۔۔ ہاویہ ہے۔۔۔۔۔ سقر ہے اور بھڑکتی آگ۔۔۔۔۔ اس سے بچنا زندگی کی علامت ہے اور امتحانِ زیست میں کامیابی کا وسیلہ اور از حد خوبصورت ذریعہ۔ دنیا میں پھیلتے ہوئے ہجوم در ہجوم انسانوں میں اکثر لوگ جہالت کی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ پڑھے لکھے ہوتے ہوئے بھی بہت سے لوگوں کی جہالت میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اس لئے کہ جاہل انسانوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں: ایک وہ جو پڑھتے ہیں نہیں، سیکھتے ہی نہیں اور

حق اور سچ سمجھتے ہی نہیں۔ دوسرے وہ جو پڑھتے تو بہت ہیں اور لکھتے بھی خوب ہیں لیکن حق سمجھتے نہیں اور تیسرے وہ جو پڑھتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔ الامان پہلوں سے والحفیظ دوسروں سے اور صد پناہ تیسروں سے، قوم اور ملت کے پاکیزہ اور نورانی تصورات کو جہالت کی دبیز سیاہیوں نے بری طرح ڈھانک لیا ہے۔

ہماری ملی اور قومی ضرورت علم و آگہی کا نور اور ''احساسِ امانت'' کی خوشبو ہے۔ ''علم'' نصاب زندگی ہے اور امانت کا احساس علم کو ہضم کرنے کا وسیلہ۔ پہلا نہ ہو تو زندگی خشک رہتی ہے۔ دوسرا نہ ہو تو زندگی آوارگی میں گم ہو جاتی ہے۔ مذہب کی زبان میں پہلی چیز کا نام ''وحی'' ہے، دوسری کا نام اتباع اور اطاعت ہے۔ وحی کی ضرورت انسانوں کے لیے خود خدا نے پوری کر دی اور دوسری کی تکمیل کا بار اور بوجھ انسانی کندھوں پر ڈال دیا گیا۔ معلوم ہوا مولوی ہونا، راہب ہونا، پادری ہونا کوئی بات نہیں۔ انسانوں کی اصل ضرورت ''علم وحی'' کو میزان ہدایت نبیوں کے وسیلہ سے نہایت سادہ انداز میں جان کر اتباع اور اطاعت کے سانچوں میں ڈھل جانا ہے۔

''حیاتِ مستعار'' کے از حد قیمتی لمحات میں یہ نور جسے میسر آ جائے، وہ عالم بھی ہے فاضل بھی، صوفی بھی ہے اور صافی بھی، سالک بھی ہے اور مجذوب بھی، عاشق بھی ہے اور قلندر بھی، مفکر بھی ہے اور محقق بھی، یہ احساس اور عرفان نہ ہو تو پتھر کہہ لو، سنگ کہہ لو اور حجر یا حیوانوں سے بھی گیا گزرا۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ (الاعراف ۱۷۹)

''یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے''۔

''علم'' اور احساس فکر و عمل کے فقدان سے جو خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی طرف رسولِ کریم ﷺ نے کس خوبصورت اور شگفتہ انداز میں ارشاد فرمایا:

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَه'

''جس کے پاس امانت نہیں اس کا ایمان نہیں''۔

سوال یہ ہے کہ انسان آخر سمجھتا کیوں نہیں؟ اسے کیا ہوا ہے کہ اس کے شیونِ حیات ایمان وآگہی، علم وحکمت، عہد وامانت، تدبیر ودرایت، آرزو وطلب اور چاہت ومحبت کے نور سے خالی دکھائی دیتے ہیں۔ اچھے اچھے معلومات کے دھنی اور جاہ ومنصب کے حامل ''دنیا ومادہ'' کے پیچھے ذلیل ہونے کی مشقت اٹھا رہے ہیں۔ شاید اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ انسان طبعاً ادھار کی نسبت نقد سے محبت رکھتا ہے۔ نہ دیکھی گئی نعمتوں کے مقابلہ میں دیکھی ہوئی دولتیں بھلی لگتی ہیں۔ قرآنِ کریم انسان کی اسی عجلت پسندی اور نقد بازی پر گرفت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

(الدھر: ۲۷)

''بے شک یہ لوگ جلدی ملنے والی دنیا کو عزیز رکھتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک گراں باردن کو چھوڑے بیٹھے ہیں''۔

انسان کی اسی عجلت خواہی ''کو رب کائنات نے کان الانسان عجولا کہہ کر ظاہر فرمایا ہے اور سورہ القیامہ میں ''عاجلہ'' سے محبت رکھنے کی سخت مذمت فرمائی۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ (القیامۃ: ۲۰، ۲۱)

''ہرگز نہیں بلکہ تم آخرت سے پہلے جلدی مل جانے والی کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو''۔

''علم وامانت'' سے راہ فرار اختیار کرنے والے دنیا باز انسان اور نقد خواہ شخص کے حصے میں اس عارضی متاع کے بغیر اور کچھ نہیں لگتا۔ یہی وجہ ہے کہ ''غمرات موت'' کے وقت وہ دنیا سے تہی دامن اٹھتا ہے اور پشیمانیاں اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں لیکن اس وقت کی پشیمانی اور ندامت کوئی کام نہیں دیتی۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى

يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ (المومنون:۹۹،۱۰۰)

''یہاں تک کہ اُن میں سے کسی ایک کی جب موت آئے گی تو وہ کہے گا میرے ربّ! مجھے واپس بھیج دے، اُمید ہے میں اچھے کام کروں گا اس دنیا میں جسے میں چھوڑ آیا، ہرگز نہیں وہ ایک بات ہی ہے جسے اُس نے کہا اور اُن کے درمیان ایک برزخ ہے اُس دن تک جب انہیں دوبارہ زندگی دی جائے گی''۔

خدا کی راہ سے دوری ''علم'' سے غفلت اور احساسِ امانت سے لاپرواہی کی دوسری وجہ خواہشات کا اتباع ہے۔ انسان ''آخرت'' پر ڈھیلا اور نرم عقیدہ رکھنے کے ہاتھوں ''مادہ خواہی'' کا اس قدر متوالا بن جاتا ہے کہ اس کے دل اور دماغ کو فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ خیر کی بنیاد پر سوچ سکے۔ خواہشاتِ زندگی کا سراب اس قدر روشن کر کے دکھاتی ہیں کہ موت پردۂ فکر سے محو ہو جاتی ہے۔ انسان تن من ہی کو خدا بنالیتا ہے۔ امیدوں کے سجے بازار سے کچھ ہاتھ لگے یا نہ لگے لیکن ''مطیع ھویٰ'' ہر آن، ہر لحظہ، جام جم نہ سہی تو جامِ سفال پر ہی قناعت کیے دستِ سوال دراز رکھتا ہے۔ درونِ خانہ دل میں خواہشات کی جلتی بھٹیاں جب تک انسانی ضمیر کو جلا نہ دیں بجھنے کا نام نہیں لیتیں۔ یہاں تک کہ موت کی دہلیز پر پہنچنے سے پہلے ہی انسان ''اتباع ھویٰ'' اور پیروی خواہشات کے ہاتھوں غرق ہو چکا ہوتا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ (القصص:۵۰)

''اور اُس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا''۔

قرآن مجید نے ایک مقام پر خواہشات کا اتباع کرنے والے کے لیے از حد نازک اور تنبیہہ انگیز اسلوب اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خواہشات کے تابع شخص کی مثال کتے کی سی ہے، اگر تم اسے چھیڑو تو پھر بھی زبان باہر نکالے رکھے اور چھوڑو تو بھی زبان نکالے رکھے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ

(الاعراف:۱۷۶)

''تو مثال اُس کی کُتے کی مثال کی طرح ہے اگر تو اس پر بوجھ رکھے تو وہ زبان لٹکائے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تو بھی زبان لٹکائے''۔

وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ (الکہف:۲۸)

''اور اس کا کہانہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ خواہش کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے''۔

رسول کریم ﷺ نے بھی محولہ قرآنی مضمون کی تائید اپنے اس مبارک قول کے ساتھ فرمائی:

لا یو من احد کم حتی یکو ن ھوایتیغالماجبت بہ

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو اس (علم وہدایت) کے مطابق نہ کر لے جو میں لے کر آیا ہوں''۔

وہ تیسرا عنصر جس کی وجہ سے انسان علم وآگہی کے حقیقی نور سے محروم رہتے ہوئے احساسِ امانت کی خوشبو ضائع کر دیتا ہے وہ اس کا متکبرانہ رویہ ہے۔ انسانی وجود کا ناری عنصر جس وقت باقی عناصر ثلاثہ پر غالب آجائے تو ہمچوما دیگر ے نیست'' کا کیڑا دماغ کو کھانے لگ جاتا ہے۔ سیدھی سادی نرم گردن میں تکبر کا سریا (سلاخ) اس انداز سے فٹ ہوتا ہے کہ آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔ افسروں کی افسریاں، مولویوں کا فنی علم، مالداروں کی بہتی دولت، جاگیرداروں کی وسیع جائیدادیں، صنعت کاروں کے اڈتے منافعے، پیروں کے اندھے مقلد، استادوں کی وافر فیسیں، انہیں سوچنے ہی نہیں دیتیں کہ موت بھی آنی ہے۔ خدا کی کچہری میں بھی کھڑا ہونا ہے۔ ہوا کیا کھلنا بھی ہے، زندگی آخر اندھیر نگری اور چوپٹ راج تو نہیں، کیا حال ہوگا جب متکبر انسانوں کی ارواح کو موت کے فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَٰئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

(محمد:۲۸،۲۷)

''تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں نکالیں گے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے، یہ سب اس وجہ سے ہوگا جو چیز اللہ کو ناپسند ہے یہ اُس کے تابع ہوں گے اور اللہ کو راضی رکھنا انہیں ناپسند ہوگا یوں وہ ان کے اعمال کو ضائع کردے گا''۔

انسانوں!

باز آجاؤ تکبر سے۔۔۔۔۔ خواہشات کی پیروی سے ،دولت بازی اور دنیا پرستی سے۔۔۔۔۔ مادہ آج تمہارا ہے اور کل یہ سب تمہارا دشمن بن جائے گا۔ دنیا آج بھی ٹھن کر تمہیں اپنے دام میں پھنسا رہی ہے کل یہی تمہاری دشمن بن جائے گی۔ آج تم بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو تمہیں حلال وحرام کی تمیز نہیں۔۔۔۔۔ سفارشوں اور رشوتوں کے دھندے تم سے کیا کچھ نہیں کرواتے۔۔۔۔۔ تمہیں جیسے مرنا ہی نہ ہو۔ سچ بتاؤ۔۔۔۔۔ تمہارے اجداد کہاں ہیں؟ تمہارے بڑے بوڑھے کہاں چلے گئے؟ تمہارے قبرستانوں میں مٹی کے بت تو دفن نہیں کیے گئے؟ وہ سب تمہاری طرح زندہ انسان تھے اور بے شک تم نے ان کے ساتھ جاملنا ہے۔ آج چمکتی دولت تمہارے ہاتھ آئے تو تم بہت خوش ہوتے ہو، کل اسی سے تمہارے جسم داغے جائیں گے۔

انسان!

آج تو گناہ کے کاموں پر بہت خوش ہوتا ہے۔۔۔۔۔ مچلتا ہے۔۔۔۔۔ جھومتا ہے لجاتا ہے۔۔۔۔۔ مسکراتا ہے اور بڑے فخر سے اپنے گناہوں کے کارنامے بیان کرتا ہے لیکن تجھے خوب یاد رکھنا چاہئے کہ کل قیامت کے دن تیرے ہاتھ پاؤں سب تیرے خلاف گواہی دیں گے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا

يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ (یٰسین: ٦٥)

''اس دن ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں اس پر جو وہ کمایا کرتے تھے''۔

انسان آنکھ کھول اور پہچان خدا کو۔۔۔۔۔ بندۂ خدا سوچ اور پہچان محمد نبی ﷺ کو۔۔۔۔۔ غلامِ نبی غور کر اور پڑھ قرآن کو۔۔۔۔۔ قاری کتاب فکر کر اور سمجھ اپنے دور کے حالات کو۔۔۔۔۔ تیرا دل اگر امینِ علم ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ حاملِ ایمان ہو گیا ہے تو پھر اس امانت کو ادا کر۔ کائنات کی پہنائیوں میں اور قلوبِ خلق کی گہرائیوں میں یہ تیرا فرضِ منصبی ہے اور بہر نوع تجھے یہ نبھانا ہے۔ علم اور امانت ہم سے کیا تقاضا کرتے ہیں؟ وہ لوگ جن کے دل اور دماغ میں اللہ جل مجدہ علم اور امانت کا نور ڈالتے ہیں۔ زندگی کے بارے میں ان کی سوچ نہایت سادہ ہوتی ہے۔ ان کا دامن برے افکار اور گندے عقیدہ سے پاک ہوتا ہے۔ وہ کائنات کو الل ٹپ نہیں سمجھتے۔ وہ خدا کے خالق ہونے کو اتنا یقینی سمجھتے ہیں جتنا انہیں اپنے وجود پر یقین نہیں ہوتا ہے۔ دشتِ فنا کے یہ سکوں بداماں مسافر پیچ در پیچ فلسفوں سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہستی کی معراج نیستی ہوتی ہے۔

ماپ تول کے صحیح ہونے کے لئے جس طرح ترازو کے دونوں پلڑے ''ڈنڈی'' سے پیوستہ رہیں تو میزان کا نظام درست رہتا ہے اور چکی اس وقت تک گھومتی ہے جب تک وہ محور اور اپنے قطب پر قائم رہے۔ ''علم اور امانت'' بھی اسی وقت تک منفعت خیز ہوتے ہیں جب تک ان کا تعلق مصدرِ فیض رسول اللہ ﷺ سے ہو، جونہی کوئی عمل یا عقیدہ نبوت کی تعلیمات سے ہٹ جاتا ہے تو بس یوں سمجھو کہ علم اور امانت دونوں تاراج ہو جاتے ہیں۔ انسان من مانی تاویلوں کو وحی اور دین قرار دیتا ہے، جب کہ سچائی اور روحِ صداقت چیخ چیخ کر اسے ایسا کرنے سے منع کرتی ہے۔ شریعت کی زبان میں انہی انسانی رویوں کو ''بدعت'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد و شر الامور محمد ثاتھا و کل بد عۃ ضلا لۃ (مشکوۃ شریف)

''سب سے خوب بات تو بس اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو نئے سرے سے خود ہی گھڑ لئے جائیں اور ایسی ہی ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے''۔

انسانی عقل نعمت ہے اور اس کا مناسب استعمال عبادت، لیکن یاد رہے کہ خدائی حکمتوں کو سمجھنا ''عقل'' کی بلندی اور عظمت ہوتی ہے اور خدائی احکام کو بدلنا حماقت اور بے وقوفی ہوتی ہے۔ آج کتنے لوگ ایسے ہیں جو ''علم اور امانت'' کے نام پر سعادت نہیں حماقت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ فلاح آخرت تو بس سعید لوگوں کے لیے ہے نہ کہ احمقوں کے لیے۔ بس اگر کوئی بہتر عاقبت کا سچا خواہ اور طالب ہے تو اسے بدعتوں سے نفرت کرنی چاہئے اور بغیر کسی ہیچ پیچ کے سنتِ رسول اکرم ﷺ سے محبت رکھنی چاہئے۔ گویا عقل کے استعمال کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ اپنی خواہش اور سوچ کے پلڑے میں ''کتاب وسنت'' کی روشن آیات رکھ کر جو پسند آئیں وہ قبول کر لی جائیں اور جو پسند نہ آئیں ترک کر دی جائیں۔ سب سے بڑی عقلیت تو یہی ہوتی ہے کہ انسان خالقِ کائنات کے ازلی ابدی قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ یہی وہ مشکل کام ہے جو اس دور کے پڑھے لکھے بے وقوفوں سے مشکل دکھائی دیتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ (البقرہ: ۱۳)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جیسے محبت والے ایمان لائے، کہتے ہیں ایمان لائیں ہم جیسے کہ ایمان لائے بے وقوف، سن رکھو کہ بلا شبہ وہی بے وقوف ہیں لیکن نادانی مچا رکھی ہے''۔

''وحی اور علم'' یقین اور حقیقت (Ultimate Reality) کے نقیب ہوتے ہیں جبکہ ''عقلِ

مجرد‘‘ وحی کا دامن چھوڑ کر نفس کی تاریکیوں میں گر جائے تو یہ توہم کا کارخانہ بن جاتا ہے بقول میر:

یہ توہم کا کارخانہ ہے
یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

وہ شخص جو شمع رسالت سے اکتسابِ نور نہیں کرتا اور اپنی سوچ کی قوتوں پر وحی کا پہرہ نہیں بٹھاتا، دین ایسے شخص کے ہاتھوں از حد نقصان اٹھاتا ہے، ایسے ہی نیک نما مجتہدین کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا:

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے دھیان میں آئی

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اسلام اجتہاد کے دروازے بند نہیں کرتا لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس عملِ خیر کے لیے کوئی شرط بھی ہے؟ دماغ سے گھڑے ہوئے امور کے خیر و شر ہونے میں تمیز قائم رکھنے کا کوئی پیمانہ بھی ہے؟ اس سارے عمل کو بجالانے کے لیے کسی تقویٰ و دیانت کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے؟ بندگانِ خدا! اگر ہاکی کھیلنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ منجھا ہوا کھلاڑی اسے ہاتھ لگائے، گاڑی چلانے کے لیے تربیتی مراحل سے گزرنا ضروری ہے تو بھلا بتایئے کہ دینِ خدا ہی ایسا رہ گیا ہے کہ اسے ماضی کا سانچہ قرار دے کر حال میں جس طرح چاہو الٹ پلٹ دو اور اس کی قدیم ترتیب کو ہی از سرِ نو متعین کرو اور طے شدہ امور میں بھی لفظ لفظ پر الجھ کر تجدد پسندی کا شوق پورا کرو۔

شجرۂ صداقت کی ہری بھری شاخو!

ہم تلاش اور جستجو کے منکر نہیں، ہم ان پاکیزہ جذبات کو کچلنا نہیں چاہتے جو زمانے کو کوئی سکھ آب نظام دینا چاہتے ہوں اور نہ ہی ہمارے پروگرام میں ’’عقلیت‘‘ کے خلاف کوئی تحریک اٹھانا شامل ہے، البتہ علیٰ وجہ البصیرت ہم دنیا بھر کے انسانوں کو بڑی جرأت کے ساتھ یہ دعوت دیتے ہیں کہ پانی ہمیشہ جھرنوں، چشموں اور دریاؤں سے ملتا ہے اور روشنی روشنیوں کے مصدر

سے مہیا ہوتی ہے۔ اپنے زمانے میں نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کریں لیکن وحی اور امانت کے چشمہ ہائے فیض پر پہنچ کر یہ کیا ہوا کہ اجتہاد کی آڑ میں اپنی بداعمالیوں اور کج فکری کو راسخ ثابت کرنے کے لیے سوچ کو بنیاد ہی کمزور اور غلط فراہم کر دی جائے۔ اجتہاد تو وہی معتبر ہے جو قرآن وسنت کی تعلیمات کو پختہ کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو اگر اس سے بدعت اور تحریف فی الدین کے راستے کھلیں تو سراسر فساد ہے اور فساد سے بچنا ہی زمانے کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ کتنے خوبصورت اور دلآویز ہیں وہ الفاظ جو رسولِ کریم ﷺ کی جزالت مآب زبان سے نکلے اور کتنی عبرتیں ہیں رسالت مآب ﷺ کے اس پرشکوہ کلام میں جو آپ نے جاہل مفتیوں اور حیلہ گر مولویوں کے بارے میں ارشاد فرمائے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ صادق مصدوق رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لا یقبض العلم انتزاینتزعہ من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلم بقبض العلما حتی اذا لم یبق عالما اتخذالناس روسا جھا لافسئلو فاقتو بغیر علم فضلوا و اضلو۔ (راوہ البخاری)

"اللہ اپنے بندوں سے علم کھینچ کر تھوڑا ہی اٹھائے گا۔ علم تو علماء کی وفات کے بعد ختم ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جن سے مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم فتوے دیں گے۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

کیا بنے گا ٹیلی ویژن کے مفتیوں کا جن کی آراء کو پروڈیوسرز کے غلط سلط مشورے تغیر تبدل پر مجبور کر دیں۔ کیا ہوگا اخباری دانشوروں کا جن کے کالم کی بولی لگتی ہو اور کیا صورت اختیار کریں گی ریڈیو زدہ مقررین کی تقریریں جن کے حسین خطبے ریڈیو کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ ریڈیو ان کی امانتدار نہ سعیٔ وتبلیغ کے لیے طرفہ تماشہ، یہ کہ لہو ولعب کے جواز میں قرآنی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں اور عریانیت اور فحاشی سے بھرپور تہذیب وثقافت کا واضع اسلام کو قرار دیا جاتا ہے۔

لوگو!

دین کے لیے واہی تباہی بولنے والے فصحاء درکار نہیں اور نہ ہی وہ مفتی و مجتہد جن کی لیلیٰ حیات شہرت ہو۔ اخذ دین اور اکتساب فیض کے لیے وہ مضبوط لوگ تلاش کرو جن کا علم پختہ ہو، مارکیٹ میں ان کی بولی نہ لگتی ہو، کردار ان کا پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہو، سفینہ ان کا خدا آشنا ہو اور سیرت ان کی رسولی رنگ میں رنگی ہو۔ تم انہیں دیکھو تو خدا یاد آئے اور وہ تمہیں دیکھیں تو تمہاری تقدیر بدل جائے۔

یاد رہے کہ علم اپنی فطرت میں انقلاب آگیں ہوتا ہے۔ دریا جس طرح اپنا راستہ خود پیدا کر لیتا ہے علم بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ جاہل معاشرہ میں انقلاب کے راستے ہموار کرے لیکن خارجی رکاوٹیں ایسی ہوتی ہیں جو نور نور علم آفتاب کو دبیز سیاہیوں میں چھپا دیتی ہیں۔ وہ خارجی نوعیت کی رکاوٹیں جو علم سے انقلاب کے پر کاٹ دیتی ہیں۔ ان میں ایک مضرترین رکاوٹ ''شہرت خواہی'' ہے۔ وہ عالمِ دین جس کے من میں شہرت خواہی کی آگ روشن ہو جائے، ایسا مخبوط الحواس ہوتا ہے کہ اس کی چھچھوری حرکتوں سے دین کا وقار گر جاتا ہے اور آہستہ آہستہ تدریجاً ایسا شخص حقیقتِ علم سے محروم ہو جاتا ہے اور ''متاع بازار'' ہو جانے کی وجہ سے اس میں اور ایک کھلونے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ ایک سچا عالم علم پھیلانے کی فکر رکھتا ہے نہ کہ اپنی ذات پر جھنڈے چڑھانے کی خو۔

رسالت مآب ﷺ نے ایک مرتبہ حرث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:

''اگر تیری عمر نے وفا کی تو تو دیکھے گا کہ خطیب بہت ہوں گے لیکن جامع عالم کم ہوں گے۔ سوال کرنے والے کثیر ہوں گے لیکن دینے والے کم اور حال یہ ہوگا کہ علم خواہشات کے تابع ہو جائے گا۔ حضرت حرث رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا دور کب آئے گا؟ آپ ﷺ ارشاد فرمانے لگے: جب نمازیں ضائع ہوں گی، رشوت لی دی جائے گی، دین حقیر دنیا کے عوض فروخت کیا جائے گا، ایسے وقت بچنا، آپ ﷺ نے بچنے کا لفظ تین مرتبہ دہرایا''۔

ہمارے پرانے علماء جب کتابیں لکھتے تو اپنا نام تک اوپر نہ لکھتے۔ صرف اس لیے کہ کہیں خدا کی رضا کا جذبہ ٹھنڈا نہ پڑ جائے اور شہرت خواہی اور ریا کا سیلاب ہلاک نہ کر دے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

روية الناس بساطه الر يا

''لوگوں کا دیکھنا ریا کی چٹائی ہے''۔

حضرت داؤد طائی کا قول ہے:

صم عن الد نيا و اجعل فطر ك الاخرة و فر من الناس فوارك من الاسد

''دنیا سے روزہ رکھ اور آخرت میں افطار کر، لوگوں سے یوں بھاگ جس طرح شیر سے بھاگتا ہے''۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے جس دانشمند کو دیکھا۔ اس نے لوگوں سے میل جول پسند نہ رکھا۔ ہمارا دور تو عجب ہے، یہاں علم مند لوگ بھی اب اپنے خطبوں، تحریروں اور تقریروں کی لاٹری ڈلواتے ہیں۔ فسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ کی ریسیں لگتی ہیں۔ کتابوں کی رونمائی سے زیادہ شخصیتوں کی تقریبِ رونمائی ہوتی ہے، شہرت کے مجنوں شخصیتوں کے صنم گاڑتے ہیں اور شخصیتوں ہی کے سامنے ناصیہ فرسائی کی جاتی ہے۔ بزرگ لوگ زندگی ہی میں اپنے روضے اور مزار بنانے پر زور دیتے ہیں یہاں تک کہ موت کے منہ میں بھی شہرت خواہی کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوتا اور دنیا سے اٹھتے ہوئے بھی وصیتی کیفیتیں یہ ہوتی ہیں۔

عاشق کا جنازہ ہے زرا دھوم سے اٹھے

امام غزالی نے ''منہاج العابدین'' میں ان سلف صالحین کو خراج تحسین پیش کیا جو ساری عمر میل جول اور اختلاط مع الناس سے بچتے رہے اور لوجہ اللہ خدا کے دین کی خدمت کر گئے۔

علم امانت کی حقیقت میں ڈھل جائے اور امانت علم کا پھول بن کر زینتِ حیات ہو جائے تو اہل علم محبت افزاء ماحول پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ علم کا مصدر دل ہوتا ہے اور

ایک خوبصورت دل حسد، بغض، کینہ ایسی مذموم صفات سے پاک ہوتا ہے۔ حسد رکھنا اور بغض آور ماحول پیدا کرنے میں تگ ودو کرنا دراصل ایک جاہل آدمی کا کام ہوتا ہے۔ وہ شخص جو کتاب بھی پڑھے اور علم وادب کا دعویدار بھی ہو اور ساتھ ہی اسے دوسرا علم مند شخص برا لگے اور اس کی دینی مساعی اسے مرغوبِ خاطر نہ ہوں تو اسے اچھی طرح جاننا چاہئے کہ اس کا علم از قبیل امانت نہیں بلکہ زحمت کی اقسام سے ہے۔ انبیائے کرام یہی وجہ ہے کہ علم دینے کے ساتھ ساتھ ''تزکیہ'' بھی کرتے ہیں جس کا صاف مطلب دل کو صاف کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے دور میں علماء کی صفوں میں اتحاد ومروت کا نہ ہونا دراصل تزکیہ کے نہ ہونے کی بنا پر ہے اور یہ بھی کہ علم کے ساتھ ''حکمت'' کا جوڑ ہے۔ حکمت نہ ہو تو محض علم بھی بار آور نہیں ہوتا۔ ترجیحات طے کرنا، اپنے دور کو سمجھنا، حالات کی نبض پر ہاتھ رکھنا، صحیح حکمتِ عملی اختیار کرنا، تقسیمِ کار کے اصول وضع کرنا، موزوں صلاحیتوں کا مناسب استعمال بجالانا، نظم وضبط کو تعلیم کا حصہ بنانا، عوامی نفسیات سے واقف ہونا، ثمراتِ تحریک پر نظر رکھنا، دعوت کے بہتر مواقع تلاش کرنا اپنے نفسانی حالات پر بصیرت بداماں گرفت رکھنا، عمرانی نشیب وفراز کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احوال سے دینی اور انقلابی فائدہ اٹھانا، دوستوں میں انقلاب آور علم کی مقدار بڑھانا، سب حکمت ہے اور علم کا ایک ضروری حصہ، عالم جس وقت حکمت کا نور لے کر میدانِ عمل میں کودتا ہے تو کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں وگرنہ

زخواندن علم ہرگز عالم نشوی
شیریں نہ شود وہاں زنامِ شکر

''علم'' اور ''امانت'' مخلوق پرور انقلاب کے لیے بے لوث اور مخلصانہ جدوجہد کا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ علم کی رحمت نواز کیفیتوں کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ نور انسان تک بلا معاوضہ پہنچایا جائے۔ وہ چیز جو علم کے نام پر بنی ہوئی تجارتی منڈیوں میں بیچی اور خریدی جائے علم نہیں دنیا ہے۔ انسانوں کی جہالت اور شقاوت کو دور کرنے کے لیے بہر حال دنیا نہیں علم درکار ہے جس کے حاملین آدم علیہ السلام کے دور سے آج تک بغیر کسی حرص اور لالچ کے انسانی خدمت پر مامور رہے۔

''مصلحین'' کی تاریخ میں یہ بے لوث دعوت اور حقیقت انبیاء ہی کے ہاں ملتی ہے یا ان کے مخلص پیروکاروں کی جدوجہد میں یہ ایثار دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے، علم کے انقلابی خادم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مستانہ وار یہ نعرہ لگائے:

لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ (الانعام:۹۰)

''میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا''۔

اور

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ (یونس:۷۲)

''میرا اجر نہیں ہے مگر اللہ پر''۔

قرآن مجید نے ان مولویوں اور راہبوں کی سخت مذمت کی ہے جو ''علم'' کو اپنی حرص وہوٰی کی بھینٹ چڑھا کر دین کو پہلے مذہب میں بدلتے ہیں اور پھر مذہب کو تجارت سے اور پھر تجارت اور معاشیات کے سرد چکر ''خواہشات'' کو بڑھا بڑھا کر انسان کو ایک معاشی حیوان بنا دیتے ہیں۔ جس کے ہاں روحانیت، اخلاق اور اعلیٰ انسانی اقدار کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ''علم'' کے داعین زندگی کے اس زاویہ پر پہنچ جائیں تو قرآن ان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (التوبۃ:۳۴)

''اے ایمان والو! پادریوں اور جوگیوں میں سے اکثر لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ خطبہ کس قدر حسن افزاء ہے جس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں: اہلِ علم زمانے کی سیادت حاصل کر لیتے اگر وہ علم کی عزت کرتے اور اسے دنیا والوں کے قدموں پر نہ ڈالتے تاکہ ان سے کچھ دنیا مل جائے۔ علم کی قدردانی نہ کرنے والے ذلیل وخوار ہو جاتے ہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی یہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کسی نے

تمام فکروں کو ایک فکر بنا دیا، خدا اس کی آخرت کی فکر دور کر دے گا اور جس نے دنیا کی بہت سی فکریں جمع کر لیں، خدا ہی اسے چھوڑ دے گا۔

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ عالم اس امت کا طبیب ہے اور مال اس اُمت کی بیماری ہے جب طبیب ہی بیماری مول لے لے تو علاج کون کرے گا۔

میرے پیر و مرشد حضرت جمشید مدظلہ العالی کا ارشاد گرامی ہے کہ عالم کا علم اس کے رزق کا وثیقہ ہوتا ہے، جب عالم بھٹکتا ہے تو وہ رزق کے پیچھے پیچھے حرص اور لالچ سے دوڑتا ہے اور یہ ذلت خدا کے ناراض ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ دراصل حریص اور لالچی عالم کو نہ اپنے علم پر یقین ہوتا ہے اور نہ ہی خدا کی ذات پر توکل حاصل ہوتا ہے۔ ''علم'' کے خادمین اگرچہ اپنی جائز ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ''رزق حلال'' بصورت ''ہدیہ'' قبول کر سکتے ہیں لیکن یہ تو اس لیے کہ وہ بفراغت علم الٰہی کی خدمت کریں۔ مطلب یہ ہوا کہ تکمیلِ ضرورت خدمتِ علم کے لیے ہوتی ہے نہ کہ خدمتِ علم تکمیلِ ضرورت کا وسیلہ ہوتی ہے۔

امانت ظرف ہے اور علم مظروف۔ مظروف کا پاک رہنا ظرف کی طہارت کا تقاضا کرتا ہے۔ علم کی ''ماہیت'' میں کمی بیشی ممکن نہ رہتی ہے لیکن امانت یہ تعدی برداشت نہیں کرتی، اس لیے کہ یہ احساس کا نام ہے، حق ادا کرنے کا داعیہ ہے، نورِ حیات ہے، زینتِ حیات ہے، زینت انسانیت ہے، آرزوئے حسن ہے، میزانِ صداقت ہے، منہاج عرفان ہے، وسیلہ فوز و فلاح ہے۔ جس انسان میں اس کی جتنی مقدار زیادہ ہے، اتنا ہی وہ بڑا انسان ہے۔ رسول ''امین'' تھے، اسی لیے انقلابی تھے۔ ہم ''علم'' کے پردہ کشا ہیں لیکن امانت کی گلی سے ہمارا گزر نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر تڑپتا ہے، ادیب سسکتا ہے، واعظ گرجتا ہے، قوم، ملت، درد اضطراب، عشق اور تعبیر کیا کیا نہیں سنتے لیکن انقلاب نہیں آتا۔ شاید ہمارا ظرفِ حیات ''امانت'' کے نور سے خالی ہو چکا ہے۔ آج کسی ایسے مجدد کی ضرورت ہے جو قومی سطح پر لوگوں میں احساسِ امانت پیدا کر دے۔ ظاہر ہے ایسا عظیم انسان روحانی لائن ہی کا ہوگا۔ صبح دس بجے اٹھنے والے

مفکر اور سکرین پر پلنے والے محقق یہ کام نہیں کر سکتے ۔شاید ان عظیم انسانوں کا وجود کمیاب ہوتا ہے، اسی لیے رب العزت نے لوگوں کو انہیں تلاش کرنے کی قرآن میں شق فرمائی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ (المائدہ:۳۵)

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم کامیاب ہو''۔

علم اور امانت مل جائیں تو محنت کا عمل ناگزیر ہو جاتا ہے۔کیا ماں اپنے بچے پر کم محنت کرتی ہے؟اور باپ اپنے بیٹے کے لیے کم مشقت اٹھاتا ہے؟لیکن علم اور امانت کا خوگر اپنے ''مقاصد'' کے خاکوں میں اپنے خونِ جگر سے رنگ بھرتا ہے،نہیں سمجھتے تو ''رسولِ انقلاب'' کو دیکھ لو کہ زندگی کو پسینہ کر دیا اور حیات کی گھڑی گھڑی ''مقاصد'' کی دہلیز پر قربان کی اور پھر کامیابی کے منشور کا اعلان فرمایا:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝۳۹ (النجم:۳۹)

''انسان کے لئے نہیں ہے بجز اس کے کہ جو اس نے کوشش کی''۔

اہلِ صفا!

اہلِ علم!

اہلِ دانش!

اہلِ امانت۔۔۔۔۔اور

اہلِ انس و محبت!

زندگی۔۔۔۔تلاشِ علم کا نام ہے۔

ادائے امانت کا نام ہے۔

احساسِ مقصدیت کا نام ہے۔

آرزوئے صدق و صداقت کا نام ہے۔

حسنِ نظر اور طہارتِ باطن کا نام ہے۔

یہ سب کچھ نظریہ نہیں ''عمل'' ہے۔ نظریے پریشانیاں بڑھاتے ہیں اور عمل انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ ہماری قوم کے بخت کا ستارہ بھی اسی صورت میں چمکے گا کہ

طالب علم پڑھنے کو

استاد تدریس کو

مزدور محنت کو

کسان مشقت کو

وکیل دقت بینی کو

طبیب خدمت کو

تاجر صداقت کو

عالم علم افزائی کو

حاکم مروت کو

محکوم اطاعت کو

ملازم نظم وضبط کو

مالگیر ثروت کو

مفکر تفکر کو

اور محقق تعقل کو

امانت تصور کریں

اور پھر یہ بارِ امانت

رسول کریم ﷺ کی اطاعت میں اس طرح صرف کریں کہ دنیائے انسانیت ایک بار پھر اس انقلاب کا چہرہ دیکھ پائے جس نے عالمِ بشریت کی تقدیر بدلنے کی واقعی مثال قائم کی ہے۔

آؤ کوشش کریں کہ:

حرص ولالچ کی منڈیاں ویران ہوں

اور

رضائے خدا اور خوشنودیٔ مصطفیٰ ﷺ کے رحمت رحمت ماحول میں ہم اپنی منزل کا سراغ لیں۔

اے اللہ! ہمیں کامیابی عطا فرما۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ عمل

آنکھیں کوربین اور آئینہ فکر کتنا ہی گدلا کیوں نہ ہو جائے سچائیاں سچائیاں ہی رہتی ہیں اور صداقتیں صداقتیں ہی۔۔۔۔۔فکر ونظر کے پیمانے ٹوٹ جانے سے حقائق نہیں بدلا کرتے۔ یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ ہمارے ماحول میں کوئی بھی شے اپنے اصلی روپ میں دکھائی نہیں دیتی لیکن پھر بھی سچ اور حق کی آواز کسی نہ کسی جہت سے سسکیاں لیتی برآمد ہو ہی جاتی ہے۔

آج قومی زبوں حالی اور ملی شکستہ سامانی کا سوال کسی بھی شخص کے سامنے کیوں نہ رکھ دیا جائے، برابر ہے وہ گڈریا ہو یا وکیل، اُمّی ہو یا عالم، فاضل ہو یا شیخ، پوری یکسانیت اور ہم آہنگی کے ساتھ اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہمارے ماحول میں تہی دامنی ہے۔ زندگی کے اس نورِ حقیقی کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے جبینِ انسانیت اطمینان وسرور کی رونقوں سے محروم ہے۔ حیات و زیست کے رینگتے قافلے جادۂ حق سے بھٹک رہے ہیں۔ سستی وکسلان اور بے کاری وتن آسانی کی مسموم فضاؤں میں عروج وارتقاء کا دم گھٹ رہا ہے۔ قوم کا ہر شخص اگر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ محنت اور عمل کے بغیر سفینۂ حیات کسی بھی صورت میں ساحل آشنا نہیں ہوسکتا تو بتایئے گا عمل کرے گا کون؟ انسانی کائنات میں حوروں اور فرشتوں کے عمل سے تو انقلاب بپا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ انسانی تسخیری طیاروں کے کپتان جنات ہوں۔ انسان کا کام بہرطور انسان ہی کو کرنا ہوگا۔ سرسوں کے بیج سے دودھ نہیں نکلا کرتا اور بکری کے تھنوں سے عرق گلاب حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ عمل اور محنت کی جو ذمہ داریاں پروردگارِ عالم نے اولادِ آدم کے کندھوں پر ڈالی ہیں، اسے ہی نبھانی ہوں گی۔

یہ بات کتنا عجوبہ بلکہ اضحوکہ ہے کہ نماز کے وقت سونے والا سو کر کہتا ہے عمل کرنا

چاہیے، سود خور تاجر سود کھا کر کہتا ہے، عمل کرنا چاہیے، دودھ میں پانی ملانے والا خیانت کر کے کہتا ہے، عمل کرنا چاہیے، راشی رشوت کا دھندا اپنا کر یہ راگ الاپتا ہے کہ عمل کرنا چاہیے۔ آخر عمل کس چیز کا نام ہے، اس کی کوئی تعریف بھی تو ہوگی، یہ تو ہوا عوام کا حال، رہے بزرگ علما، دانشور اور صحافی تو ان کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں کہ گرم دمِ گفتگو نرم دمِ جستجو۔

انگریزوں کی مسلسل غلامی، ہندوؤں کی متواتر صحبت اور مادیت کے تابڑ توڑ حملوں، سرمایہ داریت کی مہلک یلغار اور اندازِ فکر کی حقارت آمیز بے لگامی نے دیگر اسلامی اصطلاحوں کی طرح سعی و عمل کے معنیٰ و مفہوم کو یکسر بدل دیا ہے۔ اب تو جدید معاشیات اور منصوبہ بندیاں انسان کو یہ سکھا رہی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی وہ کون سی راہیں ہیں جن پر چل کر ایک شخص نکما بھی رہ سکتا ہو اور مادہ گر بھی بن سکتا ہو۔

حضور ﷺ کی اُمت کو اب یہ کون بتائے، سمجھائے کہ:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ (النجم:۳۹)

''انسان کے لئے نہیں ہے بجز اس کے کہ جو اُس نے کوشش کی''۔

یا پھر حضور ﷺ کی یہ حدیث کہ:

الکاسب حبیب اللہ

''محنتی اللہ کا دوست ہوتا ہے''۔

جس قوم کے دانشور اور علماء اپنے ہاتھ میں سودا سلف کا تھیلا اٹھانا کسرِ شان تصور کریں، امراء کاروں اور موٹروں کے دروازوں کو بند کرنے کے لیے اپنی معیت میں خدام و حشم رکھیں۔ شاہ اور بادشاہ جلوس کے بغیر چلنا محال سمجھیں، وزراء کی فلاحی تدابیر ائیر کنڈیشنڈ کمروں کے سوا نہ ہو سکیں، انتظامیہ اور عدلیہ کے معزز ارکان قومی مسائل حل کرنے کی بجائے ہوائی اڈوں پر آنے جانے والوں کو خوش آمدید کہنے میں مصروف رہیں۔ دکان دار، تاجر اور گاہک بازاروں

میں جوابازوں کی طرح ایک دوسرے پر داؤ لگا رہے ہوں۔ مزدور کارخانوں میں محنت مشقت کی بجائے پیشاب گاہوں، چائے خانوں اور دیگر مخفی مقامات پر آ جا کر وقت گزار رہے ہوں، شعراء دنیا و مافیہا سے بے نیاز تلواروں اور نیزوں کا شوق الفاظ و کلمات سے پورا کر رہے ہوں، طلباء کے ہاتھ میں کتاب، قرطاس اور قلم کی بجائے سگریٹ کی ڈبیاں یا پھرہا کی اور بلے نظر آئیں۔ جوان شمشیر و سناں کو چھوڑ کر گلے میں زنجیریاں، ہونٹوں پر سرخی، منہ پر پاؤڈر اور رخساروں پر کریم مل کر رزمیہ اور جہادی نغموں کی بجائے حسن و عشق کے گیت گائیں، عورتیں لیلیٰ اور مرد مجنوں ہونے کی فکر میں ہوں تو اسلامی انقلاب کس سمت اور جہت سے آئے گا۔ یہاں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص نے دس دس خواب آور گولیاں کھائی ہوئی ہیں اور ابھی وہ کسی اہم مقصد کی خاطر بسترِ کسلان سے اٹھنا پسند نہیں کرتا۔

وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا کو بتوں کی غلامی سے چھڑایا، لات و منات کے سر کچلے، فرعونیت و نمرودیت بھرے نظاموں کا خاتمہ کیا، بھوکے اور فاقہ زدہ انسانوں کو معاشی خوشحالی بخشی، عورت کو آبرومند اور مرد کو باوقار کیا، رنگ و نسل قوم و قبیلہ کی فرضی اور عارضی حد بندیاں ختم کر کے مساوات کا درس دیا اور اسی طرح تسخیر کائنات کے عملی نمونے پیش کئے، ایسے نہیں تھے کہ جیسے ہم عمل کے چور اور سستی کے ڈھیر ہیں۔

ان کا امیر دیکھو قبا پر پیوند لگائے ہوئے ہے اور بڑھاپے کی عمر میں محنت مزدوری کر کے کھاتا ہے اور انسانیت کی خدمت فی سبیل اللہ کرتا ہے۔ ان کا سپاہی دیکھو کہ شوقِ شہادت میں ساری زندگی صحراؤں اور پہاڑوں پر بسر کر دیتا ہے۔ ان کا زاہد دیکھو رات تو مصلیٰ پر دکھائی دیتا ہے، دن کو بدر و حنین کے معرکے گرم کرتا ہے۔ ان کا عالم دیکھو جسم سے خون نکل رہا ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کی تلاوت چھوٹ نہیں پاتی۔ ان کا جوان دیکھو کہ زبان پر قرآن ہے اور ایڑیاں اونچی کر کر کے اپنے مقتل کی جستجو میں ہے۔ ان کی عورت دیکھو کہ احیائے حق کے لیے زخمی ہونے والے مجاہدوں کو پانی پلا رہی ہے۔ ان کے معاشرے کا ہر فرد پکار رہا ہے، کہہ رہا ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ (الانعام:۱۶۲)

''آپ فرمایئے! بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری حیات اور میری ممات سب اللہ کے لیے ہے''۔

میری قوم کے دردمند اور حساس نوجوانو!

خوشحالی اور ترقی، خیر اور بھلائی، خوشی اور مسرت، اطمینان اور سرور، امن اور سلامتی، عروج اور ارتقاء کے لیے اسلام اور ایمان کی محض اصطلاحیں کفایت نہیں کرتیں۔ چند دن سڑکوں پر نعرے لگا دینے سے انقلاب نہیں آ سکتا۔ تنظیموں کے بت کھڑے کر کے ان کی پوجا کرنے سے مسئلے حل نہیں ہو سکتے۔ اس عظیم مقصد اور نور بداماں مشن کی تکمیل ایک مسلسل اور مربوط عمل سے ہی ممکن ہے۔ گویا آج ہماری اصل ضرورت ایسا عمل ہے جو صلح اور صالحیت کی بنیادوں پر ہو اور یاد رہے کہ یہ عمل ہی ہوتا ہے جسے دیکھ کر ربّ قدوس کسی قوم کے باقی رکھنے یا اسے فنا کرنے کا فیصلہ صادر فرماتے ہیں:

وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الاحقاف:۱۹)

''اور ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے مطابق درجے ہیں''۔

علم سیکھنے سے عالم بنتا ہے، بیج بونے سے فصل اُگتی ہے، لباس پہننے سے گرمی سردی سے بچا جا سکتا ہے، قدموں کو حرکت دینے سے چلنے اور آنکھ کھولنے سے دیکھنے کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ گویا یہ کائنات کے سارے ہنگامے خواہ شمس و قمر کے حوالے سے ہوں یا ارض و سما کی نسبت سے کسی نہ کسی عمل کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو مسلمان آخرت میں نجات و فلاح اور دنیا میں غلبہ و اقتدار ایسے اہم مقاصد کسی عمل ہی سے حاصل کر سکتے ہیں اور وہ عمل حضور ﷺ کا پورا نظام اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ پورا قبول کرنا ہے اور اس کا منہج کارِ جہاد فی سبیل اللہ، سعی اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے اور اسی راہ پر اخلاق و کردار، معاملہ و سیاست، عبادت و معیشت

اور زندگی کے تمام شعبوں کی مشکل گتھیاں سلجھ سکتی ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

(الرعد:۲۹)

''جولوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ان کے لئے خوشیوں کے پیغام ہیں اور اچھا انجام''۔

اب رہی یہ بات کہ اسلام میں کس نوعیت کا عمل محمود ہے اور کون سا عمل تقدیر بدل اور انقلاب آفرین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ظاہر ہے جس وقت ہم عمل کی بات کرتے ہیں تو جنتروں منتروں کا ایسا عمل جس سے آسیب دور کئے جائیں، مراد نہیں لیتے اور نہ کسی چوراہے میں کسی مداری کے سامنے پڑے ہوئے معمول پر کیا گیا عمل مراد ہوتا ہے۔یوں تو دنیا کے فسادات بھی اعمال ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ہمارا دین جس عمل پر زور دیتا ہے وہ صرف عمل ہی نہیں بلکہ وہ عمل صالح واحسن ہے۔

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (النور:۳۸)

''تاکہ اللہ انہیں حسن دے جو انھوں نے عمل کئے''۔

جہاں تک عمل صالح کی مزید تشریح کا تعلق ہے تو یہ کوئی ایسا قبضہ نہیں جو ذہن میں سما نہ سکے۔قرآن حکیم نے ہر عبادت، ہر حکم اور ہر فرمان کے ساتھ اطاعتِ رسول ﷺ کا جو حکم دیا تو یہ بذاتِ خود اس معاملہ کا قطعی حل ہے کہ عمل صالح وہی ہے جو حضور ﷺ کی سنت اور طریقے کے عین مطابق ہو۔

گویا ہمیں اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے اپنا ماضی ضرور دیکھنا ہوگا اور بدعات اور خرافات کی راہوں سے بچ کر مصطفےٰ ﷺ کے کردار وعمل سے اکتساب فیض کرنا ہوگا۔مطلب اس کا یہ ہوا کہ دعوتوں، تحریکوں، تنظیموں، نظریات اور افکار کے پریشان کن ہجوم میں صالح جدوجہد، جس کے

احسن نتائج متوقع ہوں، کرنے کے لیے خوب سے خوب تر دیکھنا ہوگا اور اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ فکر ونظر کے کس زاویہ پر سنتِ رسول ﷺ کا نور زیادہ ہے اور تھم تھم کر سوچنا ہوگا کہ حُبِّ مصطفیٰ ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کے پاکیزہ جذبات واحساسات کہاں کہاں اور کس قدر ہیں۔ بصورتِ دیگر علم ہوگا تو روحانیت نہیں ہوگی، روحانیت ہوگی تو سیاستِ اعلیٰ مفقود ہو جائے گی۔ سیاست نظر آئے گی تو زہد وعبادت کا نام ونشان نہ ہوگا، زہد ہوگا تو معاشی تگ ودو نہ ہوگی، کسب معاش ہوگا تو حرارت ایمان عنقا ہوگی، ایمان ملے گا تو تسلیم ورضا کی خو مادیت کی نظر ہو جائے گی، الغرض بھرپور نتائج اور اہدافِ حیات کی تحصیل کے لیے ایسی سعی وعمل درکار ہے جو حضور ﷺ کی سنتوں کے مطابق ہو۔

کل امتی یدخلون الجنة الامن ابی قیل یارسول اللّٰہ، من ابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی (مشکوۃ شریف)

”میری ساری اُمت جنت میں داخل ہوگی سوائے انکار کرنے والوں کے، پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ انکار کرنے والے کون ہیں؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی وہ میرا انکار کرنے والا ہے“۔

سعی وعمل کے لیے ہمارے ہاں ترجیحات طے کرنے کا مسئلہ بھی بڑا عجیب ہے۔ ایک جرنیل ہوتا ہے تو وہ شوقِ سیاست پورا کر رہا ہوتا ہے، ایک اچھا سیاست دان ہوتا ہے تو وہ مدرسی کر رہا ہوتا ہے، ایک اچھا مدرس ہوتا ہے تو وہ ہل جوتنے کا مشغلہ اپنا لیتا ہے، نفلوں کے وقت تلوار اٹھالی جاتی ہے اور جہاد کے وقت پانچ بیبیوں کی کہانی پڑھ پڑھ کر تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔ مذاکروں کے وقت تلاوت اور تلاوت کے وقت مذاکرے کئے جاتے ہیں جب کہ ضروری یہ ہے کہ کارگاہِ حیات میں سعی وعمل کے لیے اپنی اپنی صلاحیتوں کو غور وفکر سے پہچانا جائے اور اس طرح ایک مؤثر جہاد کا آغاز کیا جائے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ چاند کی جگہ سورج لے لے اور سورج کی جگہ چاند آ جائے تو فساد خارج از امکان نہیں رہتا۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ

فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ (یٰسین:۴۰)

''نہیں سورج کی یہ پہنچ کہ پکڑے چاند کو اور نہ ایسے کہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے''۔

ایسی سعی و عمل جو غور و فکر، صلاحیتوں کے عرفان، منزل سے کامل آگہی اور حضور ﷺ کی کامل اطاعت و اتباع میں ہو، اس بات کی ضمانت مہیا کرتی ہے کہ خدا کے اس ازلی فیصلہ میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں۔

فرعون غرق ہونے کے لیے ہوتے ہیں اور موسیٰ سرخروئی کے لیے
نمرود ذلت کے لیے ہوتے ہیں اور ابراہیم فائز المرام ہونے کے لیے
منکرین توحید کی تخسیف ہوتی ہے اور نوح ساحل آشنا ہوتے ہیں
شاتمین رسالت کی شکلیں بگڑتی ہیں اور پیروکارانِ رسالت نور بداماں ہوتے ہیں
یزیدیت مٹتی ہے اور حسینیت حیاتِ طیبہ حاصل کرتی ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ (الاحزاب:۶۲)

''اور آپ اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے''۔

میرے رسول ﷺ کی غلامی کا دم بھرنے والو!

کارگاہِ حیات میں ہر سُو پھیلے ہوئے فتنے، لٹتی انسانیت کی چیخیں، نارِ جہالت کے بھڑکتے شعلے، حاملین شرک کی ظلم سامانیاں اور گلستانِ خیر کی درماندہ حالی کیا تمہیں کچھ کر گزرنے پر نہیں اکساتی؟۔۔۔۔۔اٹھو کہ محشر بپا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔جاگو کہ کاروانِ خیر لُٹ رہا ہے۔۔۔۔۔بڑھو کہ روشنیاں مدھم پڑ رہی ہیں نکلو کہ سائے ڈھل رہے ہیں۔۔۔۔۔اے مردِ مومن! تقاضائے قرآن سوچ، محنت کر، سعی کر، عمل کر، جہاد کر، مشقت اٹھا۔۔۔۔۔زندہ رہنے کا یہی دستور ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (النحل:۹۷)

''جس نے اچھا عمل کیا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوا تو ہم اُسے پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور ہم ضرور دیں گے ان کا اجر ان کے اچھے کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اے میرے شوق کے خالق اور میری آرزوؤں کی آماجگاہ!

اپنے راستے میں محنت کا سلیقہ اور شہادت کی سعادت عطا فرما!

آمین بجاہ رحمتہ للعالمین۔

☆☆☆☆☆